جدید تعلیمی نفسیات

ڈاکٹر عبدالرؤف

ایم۔ اے (نفسیات)، ایم۔ اے (فلسفہ)، جے۔ ڈی،
سارٹیفکیٹ اینڈ ڈپلومہ اِن فرنچ و سپنیش، پی۔ ایچ۔ ڈی (لندن)،
ڈبلیو۔ پی۔ ای۔ ایس

قیمت آٹھ روپے

ناشر:- چمن بک ڈپو۔ اردو بازار۔ دہلی ۶

مطبوعہ:- نعمانی پریس دہلی

: کلکتہ میں ملنے کا پتہ :

"عامر بکڈپو"

پہلی منزل، ۱۰۔ کولوٹولہ اسٹریٹ، کلکتہ ۱

Al - 9/43

جدید تعلیمی نفسیات

ترتیب

دیباچہ

طبعِ اوّل

بچّے کی تعلیم درسی کتابوں کی رٹائی اور تعلیمی سندوں کے حصول تک ہی محدود نہیں ہے۔ تعلیم و تربیّت کے ایک معقول نظام میں لکھائی پڑھائی کے مسائل کے علاوہ بچّوں کی جذباتی، معاشرتی، تمدنی اور جسمانی نشوونما کا مناسب اہتمام بھی ہونا چاہیئے۔ تعلیم کا جدید تصوّر یہ ہے کہ بچّوں کی زندگی کے ہر شعبے میں ان کی سائنسی رہنمائی کی جائے۔

تعلیم کے اس جامع تصوّر کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا نہ صرف معلّمین اور والدین بلکہ ہر ذی شعور شہری کا مقدم فریضہ ہے۔ صحیح تعلیم و تربیّت سے بچّے صحت مند خوش مزاج اور کامیاب بالغوں کی صورت میں پروان چڑھتے ہیں۔ اس کے برعکس ناقص تعلیم و تربیّت؛ بچّوں کی ذہنی اور جسمانی صحت برباد کر کے سارے معاشرے کو طرح طرح کے خطروں میں ڈال دیتی ہے۔

جدید تعلیمی نفسیات میں تعلیم کے اس جامع تصوّر کو

سامنے رکھ کر بچوں کی تعلیم و تربیت کے تمام پہلوؤں پر اجمالاً روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اُمید ہے کہ یہ اپنی نوعیت کی یہ پہلی کتاب اساتذہ، زیر تربیت اساتذہ، طلبہ اور والدین کے لئے خصوصاً اور ان تمام لوگوں کے لئے عموماً مشعلِ راہ ثابت ہوگی، جنھیں بچوں کی جامع اور سائنسی تعلیم و تربیت سے کوئی نہ کوئی دلچسپی ہو۔

مصنّف ان تمام علم دوست اداروں اور رفیقوں کا بے حد ممنون ہے جنھوں نے اس کتاب کی تصنیف میں اسے بیش بہا مشورے دیئے۔

عبدالرّؤف

طبعِ دوم

جدید تعلیمی نفسیات کا پہلا ایڈیشن خلافِ توقع طور پر قلیل مدّت میں ختم ہوگیا۔ مجھے مسرّت ہوئی ہے کہ اس کتاب کو بچوں کی تعلیم و تربیت سے دلچسپی رکھنے والے حلقوں میں اس قدر قبولِ عام

نصیب ہوا ہے۔ چنانچہ اب انہی حلقوں کی خواہشوں
کی تکمیل میں چند اہم تراہیم کے ساتھ دوسرا ایڈیشن
پیش کیا جا رہا ہے۔

عبدالرؤف

طبعِ سوم

جدید تعلیمی نفسیات کا تیسرا ایڈیشن آپ کی خدمت
میں پیش کیا جا رہا ہے۔ مقامِ شکر ہے کہ میں
اس ایڈیشن میں مزید اصلاح و تراہیم کر سکا ہوں۔

عبدالرؤف

انسانیت کے مُعلّمِ اعظم

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

کے نام

حصّۂ اوّل

تعلیم اور نفسیات

★ نفسیات اور اس کی اہمّیت

★★ تعلیمی نفسیات

پہلا باب

نفسیات اور اُس کی اہمیت

ہم اپنی روزمرہ زندگی میں اپنے گردو پیش کے لوگوں کا مُشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ہم ان کی ذہنی کیفیات، حرکات وسکنات، اعمال وکردار وغیرہ کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ اِن مشاہدوں اور مطالعوں کی بِنا پر ہم لوگوں کے اچھے اور بُرے، مُفید اور غیر مفید پہلوؤں سے متعلق اندازے لگاتے ہیں۔ کسی کو سنجیدگی سے سر جھکائے بیٹھا دیکھ کر اندازہ لگاتے ہیں کہ یہ شخص سوچ بچار، غور و فکر وغیرہ میں مصروف ہے۔ کسی کو روتا دیکھ کر بھانپ لیتے ہیں کہ اسے ضرور کوئی صدمہ پہنچا ہوگا۔ ہم بد مزاج اور تلخ رُو لوگوں سے ملنے جُلنے سے کتراتے ہیں مگر دوست کی شکل دیکھ کر ہمیں خوشی محسوس ہوتی ہے اور جب ہم اس سے مُصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہیں تو ہمیں امید ہوتی ہے کہ اس کا جواب خندہ پیشانی اور گرم جوشی سے دبا جائے گا۔ کسی مجلس میں اچھے لوگوں کی شمولیت سے متاثر ہوکر ہم اس کی رُکنیت اختیار

کر لیتے ہیں۔ دُکاندار گاہکوں کی قوتِ خرید کا اندازہ لگا کر ان سے نہایت دل آویز انداز میں گفتگو کرتا ہے۔ بیمہ کمپنی کا ایجنٹ اپنے شکار کے دل میں پرورش پانے والی بے یقینیوں اور بداعتمادیوں کا جائزہ لے کر اسے بیمہ کی پالیسی خریدنے پر مائل کر لیتا ہے۔ مُعلم اور مقرر اپنے سامعین کی دلچسپیوں کو مدِ نظر رکھ کر اُنھیں بہت کچھ سمجھا بُجھا دیتے ہیں۔

جامع اور سائنسی مطالعہ

غرضکہ ہر شخص اپنے گرد و پیش کے لوگوں کا تھوڑا بہت تجزیہ کر کے ان کے ذہنی میلانات اور کردار کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور کرتا ہے۔ یہ مُطالعہ اس کے بہت کام آتا ہے۔ ماحول اور لوگوں سے متعلق اس کی معلومات بڑھتی ہے۔ جس سے اُسے زندگی کی جدّ وجہد میں نمایاں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ ماہرِ نفسیات بھی لوگوں کے اعمال اور کردار کا مُطالعہ کرتا ہے۔ مگر عام لوگوں کی نسبت اس کا مُطالعہ جامع اور سائنسی ہوتا ہے وہ لوگوں کے محرّکات، خواہشات، رجحانات، اندازِ فکر و عمل اور اُن کی روز مرّہ اُلجھنوں کا بغور جائزہ لیتا ہے۔

اس جائزے سے فائدہ اٹھاکر وہ ان کے کردار سے متعلق پیش گوئی کرنا ہے اور زندگی کے بے شمار معاملوں اور الجھنوں کے بارے میں ان کی رہنمائی بھی کرنا ہے۔ ذہنی زندگی کے اس جائزے اورانسانی کردار کے اس مُطالعہ اور رہنمائی کا نام نفسیات ہے.

علمِ نفسیات

نفسیات بہت پُرانا علم ہے۔ اپنے اور دوسروں کے ذہن کو سمجھنے کا شوق ہم میں ابتدائے آفرینش سے چلا آرہا ہے۔مگر انسانی فکر اور کردار کو باقاعدہ مشاہدوں اور تجربوں کی روشنی میں جانچنے کی سائنسی کوشش شروع ہُوئے ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ اس اعتبار سے ہم نفسیات کو جدید ترین علوم میں بھی شمار کرسکتے ہیں۔

اس کائنات میں رنگ برنگ کی اشیار موجود ہیں۔ جنہیں مختلف علوم اپنے مُطالعہ اور تحقیق کا موضوع بناتے ہیں۔ بعض علوم بے جان مادی اشیاءکا مطالعہ کرتے ہیں۔اسی طرح انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کی چھان بین کے لئے بھی متعدد علوم سرگرمِ تحقیق ہیں۔

نفسیات کا شمار ان علوم میں ہوتا ہے۔ جو انسان کی ذہنی زندگی کے گوناگوں پہلوؤں کا مطالعہ کرتے ہیں۔

نفسیات کی شاخیں

علمِ نفسیات کی متعدد شاخیں ہیں جو انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کا تجزیہ کرتی ہیں۔ نفسیات کی مختلف شاخوں کی تحقیقات نے ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ جس سے ہمیں انسانی ذہن کی گہرائیوں اور وسعتوں کو سمجھنے میں بہت مدد ملی ہے۔ اگر تعلیمی نفسیات نے ہمیں درس و تدریس کے موزوں طریقوں اور تعلیمی درس گاہوں کے امور سے روشناس کرایا ہے تو صنعتی نفسیات نے مزدور کو سمجھنے، کارخانہ کی فضا کو خوشگوار بنانے اور کام کی رفتار کو بڑھانے کے ایسے گر بتائے ہیں جن کی بدولت صنعتی دنیا میں ایک عظیم تمدنی اور اقتصادی انقلاب رونما ہو رہا ہے۔ اسی طرح زرعی نفسیات نے کھیتی باڑی کے معاملہ میں کسان اور زمیندار دونوں کو کام کے مفید اور آسان طریقے بتائے ہیں۔ ذہنی الجھنوں اور بیماریوں کو سمجھنے اور ان کے مناسب علاج کے لئے ہم نفسیاتِ فاسدہ کے

احسان مند ہیں۔ نفسیات نے ہمیں ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے صحیح طریقے، بچوں کی پرورش، روزمرہ زندگی کے گوناگوں حادثوں اور آئے دن کی تلخیوں سے نبرد آزما ہونے میں بہت مدد دی ہے۔ آج زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق نفسیات نے کچھ نہ کچھ چھان بین نہ کی ہو۔

نفسیات اور جدید زندگی

ظاہر ہے کہ اس قدر مفید اور جامع علم ہمیں روزمرہ زندگی میں بیش بہا مدد دے سکتا ہے۔ نبی اکرم صلعم نے فرمایا: "جس نے اپنے آپ کو پہچانا، اس نے خدا کو پہچانا"۔ گویا عرفانِ نفس کی بدولت انسان عظیم ترین حقیقت یعنی خدا سے بھی روشناس ہو جاتا ہے۔ علمِ نفسیات انسان میں اپنے آپ کو اور اپنے گردو پیش کے لوگوں کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کر کے اسے بہتر اور کامیاب معاشیات کے قابل بنا دیتا ہے۔

اس بات کا عملی ثبوت یہ ہے کہ جن ملکوں میں نفسیات کو زندگی کے مختلف شعبوں میں عملی اطلاق کا

موقع دیا گیا ہے ۔ وہاں حالات ہم سے بدرجہا بہتر ہیں ۔ مثلاً تعلیم و تدریس میں نفسیات کے اطلاق سے مدرسوں کی حالت بہتر ہوگئی ہے ۔ صنعت و حرفت میں نفسیات کے اصولوں سے جہاں جہاں فائدہ اٹھایا گیا ہے وہاں کارخانوں اور مزدوروں کی حالت بہت تسلی بخش ہے ۔ مختلف پیشوں اور فوج میں نفسیاتی اصولوں کے اطلاق سے کام کی رفتار اور معیار میں بے حد ترقی واقع ہوئی ہے ۔

الغرض نفسیات کی علمی حیثیت سے قطع نظر اب اس علم کا مطالعہ کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے ناگزیر ہوگیا ہے ::

دوسرا باب

تعلیمی نفسیات

ہر شخص اپنی زندگی کے ہر دور میں طرح طرح کے افراد، اشیاء اور واقعات سے دو چار ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں اسے ہر قسم کا تجربہ ہوتا ہے وہ مشاہدے کرتا ہے۔ تمام زندگی اسے مختلف قسم کے تاثرات وغیرہ ہوتے رہتے ہیں۔ ان تجربات و تاثرات سے اس کی ذہنی اور جسمانی نشو و نما کو تقویت ملتی رہتی ہے عمومی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو نشو و نما کے انہی تجربات کا نام تعلیم ہے۔

تعلیمی نفسیات علم نفسیات کی ایک ایسی شاخ ہے جو تعلیم کے متعلق تمام عناصر کا نفسیاتی مطالعہ کرتی ہے یہ علم ان تمام تغیّرات کا جائزہ لیتا ہے جو فرد کی نشو و نما کے مختلف مدارج میں رونما ہوتے رہتے ہیں۔ یہ علم ان سب عناصر کا مطالعہ کرتا ہے جو انسان کی تعلیم کے عمل کو فروغ دیتے ہیں یا اس کے رستے میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ تعلیم سے متعلق

حقائق و کوائف اکٹھا کرنے کے لئے ماہر تعلیمی نفسیات مشاہدوں، تجربوں اور آزمائشوں وغیرہ سے استفادہ کرتا ہے۔ اپنے مطالعوں، مشاہدوں اور تجربوں کی بنا پر وہ چند باضابطہ اصول اور قوانین تشکیل کرتا ہے۔ یہ قوانین اور اصول درس و تدریس اور فہم و تفہیم میں عملی طور پر بہت سود مند ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان اصولوں کو تعلیمی اداروں کے نظم و نسق کے سلسلہ میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

تعلیمی نفسیات کی وسعت

تعلیمی نفسیات تعلیم و تدریس کے میدان میں عمومی نفسیات کے اصولوں کا عملی اطلاق ہے۔ اس علم کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ مدرسوں کے درس و تدریس، نظم و نسق اور طلبہ کی ذہنی اور جسمانی صحت کے معاملوں پر نفسیات کی تحقیقوں اور مشاہدوں کا عملی اطلاق کیا جائے۔

تاہم اس امر کو ذہن نشین رکھا جائے کہ تعلیمی نفسیات عمومی نفسیات کا محض عملی اطلاق ہی نہیں ہے بلکہ بذاتِ خود ایک باضابطہ علم ہے۔ ایک علیٰحدہ، جامع اور خود مختار علم ہونے کی حیثیت سے تعلیمی نفسیات کی

چند بنیادی خصوصیات درج ذیل ہیں :-

(ا) یہ علم تعلیم سے متعلق بنیادی حقائق اور اصولوں کا ایک مفید ضابطہ ہے۔

(ب) اس علم کی بنا ایسے حقائق اور عناصر پر رکھی گئی ہے جنھیں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور پرکھا جا سکتا ہے۔

(ج) مطالعہ، تجربہ اور تحقیق کے لئے اس علم کے اپنے مخصوص عملی اور منضبط طریقے موجود ہیں۔

عمومی غرض وغایت

تعلیمی نفسیات کی غرض وغایت مندرجہ ذیل امور کی توضیح وتشریح کرنا ہے :-

(۱) تعلّم یعنی سیکھنے کی نوعیت۔

(۲) تعلّم میں ماحول اور وراثت کا دخل۔

(۳) تعلّم پر اثر انداز ہونے والے عناصر۔

(۴) پڑھانے کے طریقے اور طلبہ پر ان کا اثر۔

(۵) طلبہ میں تعلیم کا اثر جانچنے کے مختلف طریقے، مثلاً امتحانات، آزمائشیں وغیرہ۔

(۶) تعلیمی اصولوں اور طریقوں سے متعلق بصیرت

پیدا کرنا اور سائنسی زاویہ نگاہ کو فروغ دینا تاکہ درس و تدریس اور تعلّم کے عمل میں خاطر خواہ ترمیم و اصلاح ہو سکے۔

(۷) متفرق تعلیمی اُمور سے متعلق سمجھ بوجھ اور بصیرت پیدا کرنا۔

مطالعہ کے چند خصُوصی شعبے

اس میں شک نہیں کہ تعلیمی نفسیات کئی علوم کے مقابلہ میں ایک نیا علم ہے۔ عمومی نفسیات کے علاوہ اس نے متعدد دیگر علوم سے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً فلسفہ، عمرانیات، السانیات، شماریات، طب وغیرہ۔ اس کے باوجود مطالعہ کے چند شعبے ایسے ہیں جو تعلیمی نفسیات سے مختص ہیں۔ تعلیمی دنیا کے چند ایسے شعُبے جو تعلیمی نفسیات کا بالخصوص مطالعہ کرتے ہیں، مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ مختلف مضامین پڑھانے کے خصوصی نفسیاتی طریقے۔
۲۔ تعلیم کے دوران میں طلبہ اور اساتذہ کو پیش آنے والی خصوصی مشکلات کا تجزیہ اور حل۔
۳۔ غیر معمولی بچوں کی نشوونما اور تعلیمی ضروریات کا

تجزیہ اور اُن کو پورا کرنے کا اہتمام غیر معمولی بچّوں کی چند قسمیں یہ ہیں۔ فطین، کم عقل، معذور (اندھے، گونگے، بہرے وغیرہ) مُجرم بچّے۔

۴۔ طلبہ کی جماعت بندی وغیرہ کے بہترین طریقے۔

۵۔ بصری اعانتوں اور جدید آلاتِ تعلیم کے ذریعہ درس و تدریس

۶۔ طلبہ اور اساتذہ کے مابین خوشگوار تعلّقات استوار کرنے کے طریقے۔

۷۔ طلبہ میں گروہی اور اجتماعی فکر و عمل کو فروغ دینے کے طریقے۔

۸۔ بچّوں کے فطری رجحانوں کا تجزیہ اور ان کی فنّی رہنمائی۔

۹۔ روز مرّہ زندگی کے مسائل اور الجھنوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے ضرورت مند بچّوں کی رہنمائی وغیرہ۔

عظیم تعلیمی انقلاب

مندرجہ بالا اور متعلّقہ تعلیمی امور پر تعلیمی نفسیات نے بے پناہ روشنی ڈالی ہے۔ اِن امور پر بے شمار مشاہدے، مطالعے، تجربے اور تحقیقیں کی گئی ہیں۔ ان

مطالعوں اور تجربوں کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مدارس کی تعلیم و تدریس اور نظم و نسق میں ایک عظیم انقلاب رونما ہو رہا ہے۔ جن جن ملکوں میں ان نفسیاتی تحقیقوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ وہاں طلبہ کی ذہنی، تمدنی اور معاشرتی صحت میں قابلِ قدر ترقی ہو رہی ہے۔ ان ملکوں میں تعلیم ایک فرسودہ عمل ہونے کی بجائے طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لئے خوشگوار، لطیف اور مؤثر شغل بن گئی ہے۔

تعلیمی فلسفہ اور تعلیمی نفسیات

تعلیمی نفسیات کی نوعیت اور وسعت سمجھنے کے لئے اس کا موازنہ تعلیمی فلسفہ سے کیا جا سکتا ہے۔ تعلیمی فلسفہ تعلیم کی غرض و غایت سے متعلق نظریے وضع کرتا ہے۔ اس کا مقصد تعلیم کے اغراض و مقاصد تعین کرنا ہے۔ مثال کے طور پر تعلیمی فلسفہ اس قسم کے مسائل پر روشنی ڈالتا ہے کہ :-

تعلیم کی غرض و غایت کیا ہے؟

مدرسہ اور معاشرہ میں کس قسم کا باہمی تعلق ہونا چاہیئے؟

نصابِ تعلیم کی نوعیت کیسی ہونی چاہیئے ؟
اس کے برعکس تعلیمی نفسیات اس قسم کے اُمور کی تحقیق کرتی ہے کہ :۔
ایک مدرسہ اپنے فرائض بہترین طریق سے کیسے سرانجام دے سکتا ہے ؟
مدرسہ اور معاشرہ کے مابین خوشگوار تعلقات استوار کرنے کے بہترین طریقے کون سے ہیں ؟
تعلیم و تدریس کے موزوں طریقے کون سے ہیں ؟
ظاہر ہے کہ تعلیمی فلسفہ کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ مدارس میں کیا ہونا چاہیے ؟" اس کے برعکس تعلیمی نفسیات اس امر کی وضاحت چاہتی ہے کہ اچھی تعلیمی تجاویز کو مدارس میں "کیسے عمل پیرا کیا جائے ؟" اول الذکر نظریات پر توجہ مرکوز رکھتا ہے اور موخرالذکر ذرائع پر ۔ مثال کے طور پر ایک تعلیمی فلسفی یہ نظریہ پیش کرتا ہے کہ تعلیم کی غرض و غایت طلبہ میں خوشگوار، تخلیقی اور مفیدِ معاشرت شخصیت استوار نا ہے ۔ ماہر تعلیمی نفسیات اس بات کی تحقیق کرتا ہے کہ وہ کون کون سے ذرائع اور طریقے ہیں جن کی مدد سے طلبہ کے تخیل اور کردار میں خوشگوار، تخلیقی اور مفیدِ معاشرت خاصیتوں کو پھلنے

پھولنے کا موقع دیا جا سکتا ہے۔

فلسفہ و نفسیات کا باہمی تعلق

تعلیمی فلسفہ اور تعلیمی نفسیات کا آپس میں بہت گہرا رابطہ ہے۔ ماہرین تعلیمی نفسیات نے تعلیمی فلسفوں کے متعدد نظریوں کو جانچا پرکھا ہے اور ان سے عملی فائدہ اٹھایا ہے۔ اسی طرح تعلیمی فلسفیوں نے ماہرین تعلیمی نفسیات کی تحقیقوں اور تجربوں سے عملی استفادہ کیا ہے۔ ان عمل تحقیقوں کی روشنی میں انھوں نے اپنے متعدد نظریوں میں مناسب ترمیمیں اور اصلاحیں کی ہیں۔

ایک کامیاب معلّم کو کسی حد تک ہر دو ماہرین کی صفات کا حامل ہونا چاہیئے۔ اسے تعلیمی فلسفی اور ماہر تعلیمی نفسیات دونوں کے نظریوں اور تحقیقوں سے اچھی طرح رُوشناس ہونا چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ معلّم کو جہاں اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ تعلیم کی غرض و غایت کیا ہے، وہاں اُسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے، کہ اس تعلیمی غرض وغایت کو پورا کرنے کے لئے مناسب درس وتدریس اور طلبہ کی رہنمائی کیسے کی جائے۔ تعلیمی فلسفہ اور تعلیمی نفسیات کے مبادیات کا علم معلّم کو درس وتدریس کے کام اور بچّوں کی رہنمائی کے معاملوں میں بہت مدد دیتا ہے۔

حصۂ دوم

بچّوں کی نشو و نما

- بچّوں کی نشو و نما
- جبلّت اور بچّوں کی نشو و نما
- جسمانی نشو و نما
- معاشرتی نشو و نما
- جذباتی نشو و نما
- ذہنی نشو و نما
- انفرادی اختلافات
- شخصیّت
- نظم و نسق اور سزا

تیسرا باب

بچوں کی نشو و نما

بیسویں صدی میں بچّوں کی فلاح و بہبود اور تعلیم و تربیت پر جو مفید اور ٹھوس تحقیق ہوئی ہے وہ انسانی تاریخ میں بے مثال ہے۔

"بچّوں کی صدی"

ماہر تعلیم و نفسیات کی بچّوں میں اس بڑھتی ہوئی دلچسپی کی وجہ سے بیسویں صدی کو "بچّوں کی صدی" کے نام سے یاد کیا جانے لگا ہے۔ بچّوں کی نشو و نما اب جب دلچسپ اور مقبول موضوع مطالعہ بن گیا ہے۔ اب اس حقیقت کو بخوبی تسلیم کرلیا گیا ہے کہ بالغ کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے اس کے بچپن کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ بچّوں کی نشو و نما کا مطالعہ معلم کے لئے تو خصوصاً بے انتہا مفید ثابت ہوتا ہے۔ بچوں کی نشو و نما کے مختلف مدارج اور ان مدارج کے مختلف تقاضوں کا علم بچّوں کی شخصیت اور ان کی

ذہنی استعداد سمجھنے میں بہت مدد دیتا ہے۔ اس سے معلم بچوں کی تعلیم وتربیت اور ان کی رہنمائی کے فرائض کو بہتر طریق سے انجام دے سکتا ہے۔

نشوونما

بچّوں کی نشوونما کا سلسلہ پیدائش سے شروع ہوتا ہے اور بلوغت تک جاری رہتا ہے۔ نشوونما کا مطلب وہ تمام تغیرات ہیں جو کسی فرد میں اس عرصہ کے دوران میں رونما ہوتے رہتے ہیں یعنی نشوونما ان تمام جسمانی، ذہنی، معاشرتی اور جذباتی تبدیلیوں کا باضابطہ مطالعہ ہے جو بچوں میں تجربوں، حادثوں، تعلیم وتربیت وغیرہ کے نتیجہ کے طور پر رُونما ہوتے رہتے ہیں۔ بچّوں کا تخیّل، کردار اور شخصیت ان تبدیلیوں سے مختلف طریقوں سے متأثّر ہوتا رہتا ہے۔ والدین اور معلمین کے لیتے ان سب تبدیلیوں کا علم مفید بھی ہے اور ضروری بھی

ابتدائی بچپن کی اہمّیت

انسانی زندگی میں ابتدائی بچپن کو بہت اہمیت حاصل

ہے۔ ابتدائی عُمر میں انسان بہت کچھ سیکھتا ہے۔ آئندہ زندگی کی مسرت اور کامیابی کا انحصار بیشتر اسی ابتدائی زندگی پر ہے۔ اگر اوائلِ عمر میں بہتر تعلیم و تربیت میسر آجائے اور سیر و تفریح اور فرحت انگیز سرگرمیوں میں جی بھر کے شامل ہونے کے مواقع ملتے رہیں تو آئندہ زندگی میں مسرت اور کامرانی قدم چومتی ہے۔ اس کے برعکس اگر ابتدائی سالوں میں بچوں کو ناقص تعلیم و تربیت اور غیر مناسب مشاغل میں شمولیت کے مواقع مل جائیں تو آئندہ زندگی میں مسرت اور کامیابی کے امکانات گھٹ جاتے ہیں۔

ماحول کے علم کا بیشتر حصّہ، بنیادی صلاحیتیں اور لسانی عادات بچپن ہی میں سیکھی جاتی ہیں۔ انسان کی زندگی پر ابتدائی عادتوں، رُجحانوں اور تجربوں کا اثر اس قدر گہرا اور مستقل ہوتا ہے کہ بعد میں انھیں مٹانا یا بدلنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ابتدائی جذباتی تجربوں کو تو ہماری زندگی میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ محرومیّت، ناکامی، غمی، خوشی اور کامیابی وغیرہ سے متعلق کسی فرد کے موجودہ ردّعمل اور زاویہ ہائے نگاہ کو سمجھنے کے لئے اس کی ابتدائی جذباتی زندگی کا مطالعہ بے انتہا

مفید مواد مہیا کر سکتا ہے ۔ اسی طرح زندگی کے معاشرتی اور تمدنی پہلوؤں کی اساس ابتدائی بچپن کے متعلقہ تجربوں اور حادثوں پر رکھی گئی ہے جنھیں سمجھنا بے حد ضروری ہے۔

فرائیڈ کی تحقیقات

بچپن کی اہمیت اور عظمت کے سائنسی مطالعوں کی ابتدا سگمنڈ فرائیڈ سے شروع ہوتی ہے ۔ فرائیڈ نے ثابت کیا کہ بالغ انسان کی بیشتر ذہنی تکالیف اور بیماریوں کی اصل جڑ بچپن کے ناگوار حوادث میں موجود ہوتی ہے ۔ اس نے مسلسل تحقیقوں اور تجربوں سے یہ بات واضح کی کہ حال کو کامیاب بنانے کے لیے ماضی کی زندگی کا علم بہت ضروری ہے ۔ فرائیڈ سے پہلے بھی بچپن کی عظمت کو تسلیم کیا جاتا تھا اور اس زندگی سے متعلق مشاہدے اور مطالعے وغیرہ ہوا کرتے تھے ۔ مگر یہ مطالعے اور مشاہدے باضابطہ اور سائنسی نوعیت کے نہیں تھے ۔ فرائیڈ کی تحریروں اور تحقیقوں نے اس موضوع کو سائنسی رنگ دے کر اسے ایک مستند مقام بخشا ۔ فرائیڈ کی ان نفسیاتی تحقیقوں سے والدین

اور اساتذہ نے بہت استفادہ کیا ہے۔

نشوونما کی تعلیمی اہمیت

معلم کے لئے بچپن کی زندگی کا علم بہت سود مند ثابت ہوتا ہے۔ مگر محض کتابی اور کچا پکا علم کوئی مقصد حل نہیں کر سکتا۔ معلم کو چاہیئے کہ وہ بچوں کی نشوونما سے متعلق مستند کتابیں اور رسالے پڑھے اور جہاں تک ممکن ہو اپنی جماعت کے طلبہ پر مشاہدے، تجربے اور تحقیق کرے تاکہ بچوں سے متعلق اس کا علم مستند بھی ہو اور عملی بھی۔

ابتدائی عمر کا ٹھوس علم مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر معلم کے لئے تقریباً لازمی ہے:-

(۱) معلم کا بچوں کے ساتھ مستقل طور پر واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اس لئے اُسے ان کی زندگی کے مختلف مدارج اور نشیب و فراز کا علم ہونا چاہیئے۔

(۲) بچپن کے ٹھوس علم کی بنا پر معلم بچوں کی اچھی اور بُری حرکات کے بنیادی اسباب سمجھنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

(۳) بچوں کی زندگی سے واقفیت کی بنا پر معلم تعلیم و تدریس کے فرائض بہتر اور خوشگوار طریقے سے

سر انجام دے سکتا ہے ۔ مختلف عمروں میں بچّوں کی ذہنی صلاحیتوں سے واقفیت کی بنا پر معلم اپنے معیارِ تعلیم اور طریقِ تدریس کو ایسے نہج پر رکھ سکتا ہے جو بچّوں کے فہم و ادراک کے عین مطابق ہو ۔

(۴) بچپن کی زندگی کے علم سے معلّم اپنے آپ کو پہچاننے میں بھی بہت مدد ملتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ جو معلّم اپنی خوبیوں اور خامیوں کو اچھی طرح سمجھتا ہو وہ بچّوں کے لئے بہتر انسان ، بہتر رفیق ، بہتر رہنما اور بہتر مدرس ثابت ہو سکتا ہے ۔

بچپن کی زندگی کا علم معلّم کے لئے مفید ہی نہیں بلکہ کامیاب درس و تدریس اور بچّوں کی سائنسی رہنمائی کے لئے لازمی بھی ہے ۔

چوتھا باب

جبلّت اور بچّوں کی نشوونما

اُنیسویں صدی کے اختتام پر اور بیسویں صدی کے آغاز میں جبلّت پر روایتی اور تخیُّلی تحریریں تو بہت سی لکھی گئیں مگر اس موضوع کی سائنسی تشریحیں بالکل ناپید رہیں ۔ ۱۹۰۸ء میں جبلّت کے تصور کی از سرنو وضاحت کی گئی ۔ پروفیسر میکڈوگل نے جبلت اور جذبات کا باہمی تعلق بیان کیا اور واضح کیا کہ ہمارے کردار کے تمام پہلوؤں میں جبلتوں ہی کا اظہار ہوتا رہتا ہے ۔

جبلّت کیا ہے؟

ولیم جیمز نے جبلت کی تعریف یوں کی ہے :-

"جبلّت کام کرنے کے رُجحان کا نام ہے اور اس سلسلے میں کام کی مشق ضروری امر نہیں ۔ لیکن اس سے چند ایسے نتائج کا پیدا ہونا لازمی ہے جن کا ہمیں پہلے سے کچھ علم نہ ہو۔" اس کا مطلب یہ ہُوا کہ

جبلّت ایسا فطری رجحان ہے جو وراثت میں ملتا ہے اور جس کے سیکھنے میں تجربہ یا کوشش کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جب کوئی فرد اپنے اندر کسی جبلّت کی کشش محسوس کرتا ہے تو اسے واضح طور پر یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اس کے عمل کی نوعیت اور مقصد کیا ہے۔ نوزائیدہ بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے چمٹ کر دودھ پینے میں محو ہو جاتا ہے۔ مگر اسے دودھ پینے کی غرض و غایت کا پتہ نہیں ہوتا اور نہ اس شغل کے لئے اُسے مشق ہی کرانا پڑتی ہے۔ کھیلتے ہوئے بچے کا کھلونا چھین لیا جائے تو وہ عموماً غصّے کا اظہار کرتا ہے۔ کرخت اور بلند آوازوں سے اُسے ڈر محسوس ہوتا ہے۔ اس کے کردار میں یہ سارے عمل مختلف جبلّتوں یا فطری رُجحانوں کا اظہار کرتے ہیں۔

پروفیسر میکڈوگل نے کہا ہے کہ "کسی چیز کو جاننے اور اس کی طرف توجہ دینے کا موروثی اور فطری رُجحان اس علم کے بعد ایک قسم کا جذباتی اشتعال محسوس کرنا اور پھر موقع کے مطابق کسی مخصوص انداز میں کوئی عمل جبلّت کہلاتا ہے۔"

جبلّت کے تین پہلو

میکڈوگل کے اس بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جبلّت کے تین پہلو ہیں جو درج ذیل ہیں :-

(ا) وقوف

(ب) جذبہ

(ج) عمل

ہمارے کردار میں جبلّت جب بھی عمل پیرا ہوتی ہے اس کے مندرجہ بالا تینوں پہلو ضرور نمایاں ہوتے ہیں۔ خوف کھانا جبلّی فعل ہے - جب یہ جبلی فعل نمودار ہوتا ہے تو ہمیں خوفناک شخص ، چیز یا صورت حال کا کچھ نہ کچھ علم ضرور ہوتا ہے - مثلاً جب ہم سانپ دیکھتے ہیں یا اُس کی پھنکار سنتے ہیں تو ہم جان لیتے ہیں کہ یہ کوئی خطرناک شے ہے - ہماری جبلت کے اس پہلو کا نام وقوف ہے - اس کے ساتھ ہی ہمیں کچھ احساس بھی ہوتا ہے - یعنی ہم ڈر محسوس کرتے ہیں - اس پہلو کو جذبہ کہتے ہیں - وقوف اور جذبہ کے ساتھ ساتھ ہم کچھ نہ کچھ کرنا بھی چاہتے ہیں - یعنی ہم بھاگنا چاہتے ہیں یا لاٹھی لے کر سانپ کو مارنے کے لئے آمادہ ہو جاتے

ہیں ۔ جبلّت کے اس پہلو کو عمل کہا جاتا ہے۔

جبلّتوں کی اقسام

جبلّت کی اقسام پر بہت تحقیق ہوئی ہے اور مختلف ماہرینِ نفسیات نے مختلف نظریے پیش کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں سگمنڈ فرائیڈ کا نظریہ انتہا پسندانہ معلوم ہوتا ہے ۔ اس کے نزدیک صرف جنسی جبلت ہی بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور کردار کے تمام پہلوؤں میں اسی ایک جبلّت کا مختلف طریقوں سے اظہار ہوتا ہے ۔ اس کے برعکس متعدد ماہرین نفسیات نے چلنے پھرنے، کھانے پینے، انگڑائی اور سانس لینے، غرضکہ ہر حرکت کو جبلت کا نام دے دیا ہے ۔جبلت کی اقسام کے متعلق میکڈوگل کی رائے معقول اور اعتدال پر مبنی معلوم ہوتی ہے ۔ اس نے جبلّتوں کی مندرجہ ذیل چودہ اقسام بتائی ہیں۔

۱۔ بقائے ذات یا خطرے سے بھاگنے کی جبلّت ۔

۲۔ غصّہ۔

۳۔ نفرت۔

۴۔ پدری یا حفاظتی جبلّت
۵۔ بیکسی کی حالت میں التجا کرنا
۶۔ جنسی جبلّت
۷۔ تجسّس
۸۔ طاقتور کے سامنے عجز وانکسار کا اظہار کرنا
۹۔ کمزور کے سامنے اکڑنا
۱۰۔ گروہی یا معاشری جبلّت
۱۱۔ خوراک کے لئے جستجو کی جبلّت
۱۲۔ جمع کرنے کی جبلّت
۱۳۔ تعمیری جبلّت
۱۴۔ کھیل اور نقل اتارنے وغیرہ کی جبلّت

میکڈوگل کے نزدیک یہ چودہ جبلّتیں ہر فرد میں ابتدا ہی سے موجود ہوتی ہیں۔ بعض افراد میں ان کی شدت بہت زیادہ ہوتی ہے اور بعض میں تعلیم و تربیت، عادت و ذہانت وغیرہ کی وجہ سے کم۔ انہی جبلّی بنیادوں پر ہمارے رجحانات، عادات اور اخلاق کی بنیاد پڑتی ہے۔ ہماری تہذیب اور انسانیت کا خام مواد بھی یہی فطری جبلّتیں ہیں۔

ضبط و تربیتِ جبلّات

تعلیم و تربیت کے زیرِ اثر جبلتوں پر ضبط بھی کر لیا جاتا ہے۔ کسی فطری تڑپ کو اپنے طبعی عمل میں بیان ہونے سے روک دینا ضبط کہلاتا ہے۔ خطرے کے موقعہ پر خوف پر قابو پا لینے والا انسان بھاگ نکلنے کی جبلّت کو ضبط کر لیتا ہے۔ جنسی محرکات سے پہلو تہی کر کے کئی نوجوان جنسی جبلت پر وقتی طور پر بہت حد تک قابو پا لیتے ہیں۔ روزہ رکھنے والا فرد کھانے پینے کی جبلّت پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔ مخیّر لوگ جمع کرنے کی جبلت دبا لیتے ہیں۔ غصّے پر قابو پانے والا لڑنے جھگڑنے کی جبلت پر غالب آجاتا ہے۔ ملنسار اور خلیق آدمی نفرت سے دُور رہتا ہے۔

تھوڑا بہت ضبط و اختیار ہماری تہذیب اور معاشرت کے لئے لازمی ہے۔ کسی ایک جبلت کی لگام ڈھیلی کر دی جائے تو تہذیب و تمدن خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔ اگر خطرے کے وقت ہم سب بھاگنے ہی کے عادی ہو جائیں تو ہمارا کہیں بھی ٹھکانا نہ رہے۔ ذہنی اور جسمانی صحت کے لئے ایک عرصہ تک جنسی جبلّت کو ضبط میں رکھنا بہت ضروری ہے۔ خوراک کے لئے جستجو

کی جبلّت پر ضبط نہ کیا جائے تو پیٹو بن جانے کا خدشہ لاحق ہو جاتا ہے۔ جمع کرنے کی جبلّت کی شدّت ہمیں لالچی، ذخیرہ اندوز، منافع باز اور چور بنا سکتی ہے۔ جھگڑالو پن کو ڈھیل دیدی جائے تو انسان قتل و غارت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

جبلّتوں پر پورے طور پر قابو پا لینا یا انھیں زندگی میں بلا روک ٹوک اور کھلے بندوں اظہار کا موقع دے دینا دو انتہا پسندانہ رویّوں کے مترادف ہے۔ بہتر یہی ہے کہ کوئی درمیانی اور متوازن راستہ اختیار کیا جائے۔ کامیاب زندگی کے لئے بہترین طریق یہ ہے کہ نہ تو زاہدِ خشک کی طرح بے جا ضبط و محرومیت کی زندگی بسر کی جائے اور نہ رِندِ مے خوار کی طرح جبلّتوں کو ڈھیل دے کر عیش و عشرت میں مگن رہا جائے۔

تربیتِ جبلّات اور بچّوں کی نشوونما

بچّوں کی مناسب نشوونما کے لئے انھیں اپنی جبلّتوں کو سمجھنے اور ان کی تربیت کے مناسب مواقع بہم پہنچانا والدین اور اساتذہ کا اہم ترین فریضہ ہے۔ بچّوں کو اس بات کی تربیت بھی دینی چاہیئے کہ جبلّتوں کو مفید معاشرت

سمتوں میں صرف کرنا جسمانی اور ذہنی نشوونما کے لئے لازمی ہے۔

ہر جبلّت کو مفیدِ معاشرت اور خلافِ معاشرت سرگرمیوں کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لڑنے کی جبلّت باہمی دھینگا مُشتی میں استعمال ہو سکتی ہے۔ اور بدی کے خلاف جہاد کی صورت میں بھی کام آسکتی ہے۔ گروہی جبلّت مجرموں کے جتھوں کی تنظیم میں مدد دیتی ہے۔ اور کسی اخلاقی، علمی یا اصلاحی جماعت کی صورت میں بھی نمودار ہو سکتی ہے۔ فطری جبلّتوں کو ضبط میں لاکر کسی مفید معاشرتی مقصد کے لئے بروئے کار لانے کے عمل کو تصعید کہتے ہیں۔ بچّوں کی ذہنی اور جسمانی صحت اور ترقّی کے لئے تصعید کی تربیت نہایت ضروری ہے اور اس تربیت کے لئے گھر اور مدرسہ بہترین مقام ہیں۔

جبلّتوں کی اہمّیت

کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے جبلتوں کو سمجھنا لازمی ہے۔ اگر دوست کو دوست کے فطری تقاضوں کا علم ہو جائے تو دوستی اچھی طرح نبھنے کے قوی امکان پیدا ہو جاتے ہیں۔ معلّم کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ

طلبہ کے جبلّی تقاضے کیا ہیں تاکہ وہ مدرسہ کا نظم و نسق اور طریقِ تدریس اس طرح خوشگوار بنا سکے کہ تعلیم میں طلبہ کی دلچسپی بڑھے۔ متعدد کارخانوں اور دفتروں میں آئے دن جھگڑے اور ہڑتالیں ہوتی رہتی ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے ماتحتوں اور افسروں کی جبلّتوں کا پاس نہیں رکھتے۔ مزدور کی بے عزتی کرنا اُسے جائز حقوق سے محروم کر دینا یا ملازمت کی بنیادی آسائش مہیا کرنے سے غفلت برتنا بہت نازیبا حرکتیں ہیں۔ اس سے اس کے دل میں ایک مستقل اضطراب برپا رہنے لگتا ہے۔ جو صنعتی حادثوں جھگڑوں اور ہڑتالوں کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

پرانے وقتوں میں ہماری زندگی بہت سادہ ہوا کرتی تھی۔ معاشرتی ماحول ایسا متوازن تھا کہ تقریباً ہر جبلت وقت پر پوری ہو جایا کرتی تھی۔ مگر جوں جوں ہماری تہذیب میکانیکی ہونے لگی اور ہم صنعتی ترقی کی طرف قدم بڑھاتے گئے۔ ہماری جبلّتوں کے اظہار کے راستے مسدود ہوتے چلے گئے۔ مشینی دور میں ہاتھ کے کام کو بہت کم دخل ہونے کی وجہ سے اب مزدور کو اپنی خود نمائی کا موقع بہت کم ملتا ہے۔ معیارِ زندگی بلند ہونے کی وجہ سے شادی کا

معاملہ کافی عرصہ تک معرضِ التواء میں پڑا رہتا ہے جس سے جنسی تڑپ کی شدت بڑھتی ہے۔ ان بندشوں میں جکڑے ہُوئے فرد کو جب اپنی ہر فطری جبلّت پر تعزیریں نظر آتی ہیں تو وہ جلنے اور کُڑھنے لگتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر اس کے اضطراب اور محرومیت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ یہی اضطراب اور محرومیّت بسا اوقات اسے خلافِ معاشرت حرکات اور جسمانی اور ذہنی بیماریوں کی حد تک پہنچا دیتی ہے۔

ظاہر ہے کہ ہمیں اپنی طرزِ معاشرت کو نفسیاتی اصولوں کی روشنی میں سنوارنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ ہمارے جبلّی تقاضوں کے گشت و خون کا کوئی مناسب مداوا ہو سکے۔ اپنی تہذیب اور معاشرت کو صحت اور توازن کی طرف لانے کے لئے یہ امر لازمی ہے کہ ہم مدرسوں اور گھروں میں بچّوں کو اپنی جبلّتوں کو سمجھنے پر آمادہ کریں اور ان کی تصعید کی مناسب تربیت کا معقول اہتمام کریں۔

پانچواں باب

جسمانی نشوونما

انسانی زندگی میں جسمانی نشوونما کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ لوگ بچّوں کی عمر کا اندازہ عموماً ان کی شکل وصورت اور جسمانی کیفیات سے لگاتے رہیں۔ اس اندازے کی بنا پر وہ بچّوں سے نرم یا سخت سلوک روا رکھتے ہیں اور یہ توقّع رکھتے ہیں کہ بچّے جس عمر کے دکھائی دیتے ہوں اُن کا روزمرّہ کردار اس عمر کے متوقّع معیار کے مطابق ہو۔

جسمانی نشوونما متعدد عناصر پر مبنی ہے۔ اس میں موروثی اور نسلی عناصر کو بہت دخل ہے۔ کسی فرد کی جسمانی ساخت، قدوقامت اور وزن وغیرہ کی نشوونما میں اس کے آباؤ اجداد اور نسل کی عام جسمانی کیفیتیں بہت حد تک اثر انداز ہوتی ہیں۔ اسی طرح ماحولی عناصر کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔ طبعی ماحول کی نفاست یا غلاظت، موافقت یا غیرموافقت سے انسان کی صحت اور جسمانی نشوو ارتقاء پر ہر طرح کا اثر پڑتا ہے۔ غذا،

آب وہوا ، مالی حالت وغیرہ کے علاوہ ذہنی کیفیات مثلاً خوشی یا غمی بھی جسمانی نشوونما پر اثر انداز ہوتی رہتی ہیں ۔

بالک پن کا دَور

زندگی کا ابتدائی دَور بالک پن ، شیر خوارگی یا ابتدائی بچپن کا دَور کہلاتا ہے ۔ یہ دَور پیدائش سے شروع ہوتا ہے اور کوئی پانچ چھ برس تک رہتا ہے۔ گویا ماں کے پیٹ سے باہر نکلنے پر اس دَور کی ابتدا ہوتی ہے اور مدرسہ میں داخل ہونے پر انتہا ہوجاتی ہے ۔

اِس دَور کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بچّہ نہایت تیزی کے ساتھ جسمانی ترقی کرتا ہے ۔ پیدائش کے وقت عام بچّے کا وزن کوئی ساڑھے تین سیر اور قد اڑھائی فٹ کے قریب ہوتا ہے۔ پہلے سال کے اندر اندر وزن تین گُنا ہوجاتا ہے اور قد میں تقریباً چالیس فی صد ترقی ہوجاتی ہے ۔ اگلے دو تین سالوں میں جسمانی نشوونما کی رفتار قدرے ڈھیلی پڑجاتی ہے ۔

بالک پن میں بچوں کی جسمانی نشوونما پر ان کی غذائیت خاص طور پر اثر انداز ہوتی ہے ۔ ان کے وزن اور ظاہری شکل وصورت سے بھی اس بات کا پتہ لگایا جا سکتا ہے ۔ امیر گھرانوں کے بچوں کی نسبت غریب بچوں کی صحت ، وزن اور قد وقامت عام معیار سے بہت پست ہوتی ہے ۔ جنسی اختلافات بھی بالک پن ہی سے جسمانی نشوونما پر اثر اندازی شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس عمر میں بچے عموماً بچیوں سے جسیم اور توانا دکھائی دیتے ہیں ۔

بچپن اور جسمانی نشوونما

بچپن کا دور مدرسہ میں داخل ہونے کی عمر یعنی پانچ چھ سال سے شروع ہوتا ہے اور بلوغت کی ابتدا یعنی بارہ چودہ برس کے درمیان ختم ہو جاتا ہے ۔

اس دور میں قد برابر بڑھتا رہتا ہے مگر قد کی نسبت وزن میں زیادہ سرعت کے ساتھ ترقی ہوتی ہے ۔ اعضاء کی جز کی نشوونما اور ان میں باہمی ربط وغیرہ کا سلیقہ بچپن میں بغیر کسی مزاحمت کے بڑھتا چلا جاتا ہے ۔

بچپن میں تمام بچے یکساں طور پر ترقی نہیں کرتے۔ بعض بچے سُرعت سے بڑھتے ہیں۔ بعض متوسط رفتار سے اور بعض بہت مدھم رفتار سے۔ کئی بچے ایسے بھی ہوتے ہیں جو بچپن کے ایک دور میں سرعت رفتاری سے جسمانی ترقی کرتے ہیں اور دوسرے میں مدھم پڑ جاتے ہیں۔ بہرکیف مجموعی طور پر اس دور میں تمام بچے جسمانی نشوونما کے میدان میں کافی کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔

کوئی دس برس تک تو لڑکیوں کی نسبت لڑکے قدرے لحیم و جسیم دکھائی دیتے ہیں مگر اس کے بعد جسمانی نشوونما کی دوڑ میں لڑکیاں عموماً لڑکوں سے آگے بڑھنے لگتی ہیں۔

بلوغت کا دور

بلوغت کا دَور انتہائی ہیجان انگیز دَور ہے۔ لڑکیاں عموماً ۱۲ سے ۲۱ برس اور لڑکے ۱۴ سے ۲۵ برس کی عمر کے درمیان اس ہنگامی دور سے گزرتے ہیں۔ بلوغت کا سفر خاردار صحراؤں اور پیچ و خم کھاتے ہوئے راستوں سے طے ہوتا ہے اور اس میں قدم قدم پر ہنگاموں،

حادثوں ، معرکوں ، صدموں ، تجربوں ، تلخیوں ، آندھیوں ، طوفانوں
اور گردابوں کا سامنا ہوتا ہے۔

20356

دورِ بلوغت میں جسمانی نشوونما میں قدرے حیرت انگیز تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ ہاتھ ، پاؤں ، بازو ، کمر اور مختلف اعضاء میں پختگی آنے لگتی ہے۔ لبا اوقات یہ جسمانی ترقی اس قدر سرعت رفتار ہوتی ہے کہ بالغ بچے بچیاں بے ڈھنگا پن سا محسوس کرنے لگتے ہیں۔

اس دور میں جسمانی نشوونما میں جنسی اختلافات بہت واضح نظر آتے ہیں۔ لڑکوں کے جنسی غدود اور اعضا کے گرد بال اُگنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح لڑکیوں کی چھاتی اُبھرنے لگتی ہے۔ اور جنسی اعضاء میں پختگی آنے لگتی ہے۔ اس دور میں لڑکے لڑکیوں میں جنسی اور ازدواجی فرائض ادا کرنے کی جسمانی قابلیت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

سرعت رفتار اور جسمانی نشوونما اور جنسی بیداری کی وجہ سے بلوغت سے گزرتے ہوئے بچے بچیاں توانائی کے چھلکتے ہوئے ساغر دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں خود اعتمادی اُجاگر ہونے لگتی ہے۔ وہ مجسم حرکت بن جاتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ وہ کچھ نہ کچھ کرتے رہیں۔

مناسب تفریحوں اور سرگرمیوں کے میسّر نہ آنے سے ان کے طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہو جانے کا سخت خدشہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس بات کی خصوصی احتیاط کرنی چاہیئے کہ اس دور میں بچّے طرح طرح کی دلچسپ تفریحوں میں خوب مصروف رہیں۔ تاکہ ان کی بڑھتی ہوئی جسمانی توانائی ان کے فکر و عمل کو بھٹکانے میں ناکام رہے۔

جسمانی صحّت کی تعلیمی اہمیّت

ہماری زندگی میں جسمانی صحت کو بہت مقدم مقام حاصل ہے۔ اگر بچّے جسمانی طور پر صحت مند اور تندرست دتوانا نہ ہوں تو وہ کسی قسم کی تعلیم و تربیت سے کماحقّہٗ مستفیض نہیں ہو سکتے۔ اساتذہ اور والدین کو چاہیے کہ عمر کے مختلف مدارج میں بچّوں کی نشوونما کی خاطر خواہ دیکھ بھال اور رہنمائی کرتے رہیں۔

مدرسہ میں جسمانی نشوونما کے لئے ہر طرح کے اہتمام ہونے چاہئیں۔ بچّوں کو کھیلوں اور ورزشی مشاغل میں جی بھر کے حصّہ لینے دیا جانا چاہیئے۔ اس کے علاوہ گاہے گاہے مدرسہ سے باہر سیر و تفریح کا انتظام بھی

ہونا چاہیئے۔ جسمانی بیماریوں اور چھوٹی موٹی تکلیفوں کے علاج کے لئے مدرسہ میں ایک سند یافتہ ڈاکٹر مامور ہونا چاہیئے۔ مدرسہ کے ڈاکٹر اور سائنس کے اساتذہ کو باہمی تعاون سے خوراک، صحت، صفائی اور حفظانِ صحت کے معاملوں میں طلباء کو مفید معلومات بہم پہنچانی چاہئیں۔

جسمانی نشوونما کا علم اساتذہ اور والدین کو بچوں سے مناسب سلوک روا رکھنے اور انھیں موزوں تعلیم و تربیت دینے میں بہت مدد دیتا ہے۔ دَورِ شیرخوارگی میں بچے جسمانی طور پر بہت نرم و نازک ہوتے ہیں۔ اس عمر میں ان کی تعلیم و تربیت خصوصی تحمّل اور فراست سے ہونی چاہیئے اس ننھی عُمر میں اُن کتابوں اور ضابطوں کی بے جا بھرمار کی بجائے اُنھیں نرمی اور شفقت سے اس طرح تربیت دینی چاہیئے کہ ان کا ناتواں جسم کوئی بوجھ محسوس نہ کرے۔

بچپن میں تعلیم و تربیت کا سلسلہ دلچسپ ہونا چاہیئے کہ بچے اس کے لئے طبعی طور پر کشش محسوس کریں۔ درسی تعلیم کے ساتھ ساتھ دلچسپ تفریحوں اور مشغلوں کا خاطر خواہ انتظام ہونا چاہیئے۔ بچپن کے لئے بہترین نظامِ تعلیم وہی ہے جو بچّوں کو کھیل ہی کھیل میں زندگی کے سنجیدہ مسائل سے بخوبی رُوشناس کر دے۔

بلوغت میں تعلیم کے ساتھ رہنمائی کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اس دور میں بچوں کے اندر قوت اور توانائی کی ایک نئی لہر دوڑنے لگتی ہے۔ ان کی امنگیں اور ولولے نئی کروٹیں بدلتے ہیں۔ اگر بلوغت میں بچوں کی مناسب رہنمائی نہ کی جائے تو ان کے بھٹکنے کے احتمال بہت بڑھ جاتے ہیں۔ اس لئے اساتذہ اور والدین کا فرض ہے کہ بلوغت سے گزرتے ہوئے بچوں کی نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ روز مرہ زندگی کی الجھنوں میں ان کی مناسب رہنمائی کے فریضہ سے بھی کوتاہی نہ برتیں۔

چھٹا باب

معاشرتی نشو ونما

معاشرے کے معیار و اقدار کو سمجھنے اور اپنے فکر و کردار میں اُن کا احترام کرنے اور اُن سے مطابقت پیدا کرنے کے عمل کا نام معاشرتی نشوونما ہے۔ معاشرتی نشوونما کا ایک نتیجہ انسانی شخصیت اور سیرت کی تشکیل ہے تہذیب و تمدن کی ترقی افراد کی معاشرتی نشو ونما پر ہی منحصر ہے۔

پیدائش کے وقت بچّے میں کوئی معاشرتی سُدھ بُدھ نہیں ہوتی۔ اس میں دوستی اور دشمنی کا کوئی تصوّر موجود نہیں ہوتا۔ جُوں جوں بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے، اس میں معاشرتی شعور پیدا ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ اس میں اپنے ہم عُمر بچّوں سے ملنے جلنے، ان کے ساتھ کھیلنے وغیرہ کی خواہش ترقی کرتی ہے۔ زندگی کے باقی شعبوں میں پختگی کے ساتھ ساتھ معاشرتی شعور اور سلیقے میں بھی بتدریج ارتقا واقع ہوتا ہے۔ ابتدائی معاشرتی تربیت کو انسانی زندگی میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے

شروع بچپن ہی سے اس سمت میں بچوں کی دیکھ بھال اور مناسب رہنمائی کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

معاشرتی نشوو ارتقائے مدارج

معاشرتی بلوغت تک پہنچنے میں بچوں کو معاشرتی ارتقاء کے مختلف مدارج سے گزرنا پڑتا ہے۔ نشوو ارتقاء کے چند اہم مدارج مندرجہ ذیل ہیں :۔

۱۔ منفی معاشرتی مطابقت
۲۔ مجہول معاشرتی مطابقت
۳۔ معاشرتی ارتباط
۴۔ معاشرتی فہم وفراست

منفی معاشرتی مطابقت۔ ابتدا میں بچے کو یہ بات سمجھنی پڑتی ہے کہ دوسرے لوگوں سے اُلجھنا اچھا نہیں ہوتا۔ اُسے دوسروں کو جسمانی یا ذہنی اذیت پہنچانے سے گریز کی عادت ڈالنی پڑتی ہے۔ اس عمل کو منفی معاشرتی مطابقت کہتے ہیں۔

مجہولی معاشرتی مطابقت۔ بچے کو اپنے گروہ کے رواج، آئین وضوابط وغیرہ کو بلاکم وکاست ماننے

اور اپنے فکر و عمل میں ان کا احترام کرنے کے ڈھنگ سے بھی روشناس ہونا پڑتا ہے۔ معاشرتی ارتقاء کے اس مقام کا نام مجہولی معاشرتی مطابقت ہے۔

معاشرتی ارتباط۔ پھر جوں جوں بچے کی شُدبُد ترقی کرتی ہے۔ اس میں معاشرتی ارتباط کا سلسلہ بڑھتا جاتا ہے۔ اس میں دوسروں سے ملنے جلنے ان سے متاثر ہونے اور انھیں متاثر کرنے، جذبہ رفاقت، محبّت، ہمدردی، تعاون، قیادت وغیرہ کے احساسات اُجاگر ہونے لگتے ہیں اس مقام کو معاشرتی ارتباط کا مقام کہتے ہیں۔

معاشرتی فہم و فراست: معاشرتی ارتقاء کا آخری مقام معاشرتی فہم و فراست کی تخلیق ہے۔ یہ وہ مقام ہے۔ جس میں فرد کو دوسروں کے کردار کو بخوبی سمجھنے، ان سے خوشگوار اور صحت مندانہ تعلقات استوار کرنے، معاشرے کے آئین و ضوابط کا اصل مفہوم اخذ کرنے اور معاشرے میں اپنے مقام کو سمجھنے کا سلیقہ آنے لگتا ہے۔ یہ مقام معاشرتی بلوغت کا بلند ترین مقام ہے۔ اس مقام پر پہنچنے میں بچوں کو بہت دیر لگتی ہے۔ بعض بچے بلکہ کئی بالغ بھی اس مقام پر ساری عمر نہیں پہنچ پاتے

اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو ہر بچّہ زندگی کے ہر دَور میں مذکورہ بالا تمام مدارج سے کسی نہ کسی حد تک ضرور گزرتا ہے ۔ عمر میں پختگی کے ساتھ ساتھ اور مناسب تعلیم و تربیت کی روشنی میں وہ اپنے اندر زیادہ سے زیادہ معاشرتی فہم و فراست پیدا کر لینے کے قابل ہو جاتا ہے ۔

بالک پن اور معاشرتی نشوونما

نوزائیدہ بچّے فقط ان لوگوں سے ، مانوس دکھائی دیتے ہیں جو ان کی روزمرّہ ضروریات پورا ہونے کا اہتمام کرتے ہیں ۔ مثلاً والدین ، خصوصاً والدہ ، بہن بھائی آیا ، نوکر چاکر وغیرہ پھر جوں جوں بچّے بڑے ہوتے جاتے ہیں ان میں اور لوگوں کی پہچان اور ان سے لگاؤ بھی ہوتا جاتا ہے ۔

ابتدا میں بچّے معاشرتی طور پر غیر جانبدار قسم کے انسان ہوتے ہیں وہ نہ تو رفاقت اور نہ ہی عداوت کی طرف مائل ہوتے ہیں ۔ ذرا ہوش سنبھلنے کے ساتھ دوسرے تیسرے سال کے لگ بھگ وہ دوسرے بچّوں کی طرف

مائل ہونا شروع ہو جاتے ہیں ۔ شروع میں وہ "متوازی کھیل" کھیلتے ہیں ۔ یعنی ایک بچہ دوسرے بچے کے پاس کھیلتا ہے ۔ مگر دونوں ایک دوسرے کے کھیل میں شرکت سے گریز کرتے ہیں ۔ عمر کے بڑھنے کے ساتھ مشارکت متوازیت کی جگہ لے لیتی ہے ۔ بچوں میں اب رفاقت کے جذبے اُجاگر ہونے لگتے ہیں ۔ ایک ہی محلّے میں رہنے والے ننھے مُنّے بچے اپنے چھوٹے موٹے گروہ بنانے لگتے ہیں ۔ اس عمر میں لڑکے عموماً لڑکوں سے اور لڑکیاں لڑکیوں ہی سے کھیلنا پسند کرتی ہیں ۔ ابتدائی معاشرتی ارتباط کی وجہ سے بچے کا ذخیرۂ الفاظ بھی بڑی سرعت کے ساتھ پھیلنے لگتا ہے ۔

معاشرتی تربیت پر بچوں کے خاندانوں کا اقتصادی معیار بھی اثر انداز ہوتا ہے ۔ امیر گھرانوں کے بچے قبل از مدرسہ عمر تک تو خصوصی ناز و نعم میں رکھے جاتے ہیں ۔ مگر غریب گھرانوں کے بچوں کو اس نازک عمر ہی سے گھریلو کام کاج میں والدین کا ہاتھ بٹانا پڑتا ہے ۔

بچپن اور معاشرتی نشوونما

پانچ سال کے لگ بھگ بچّے مدرسے جانا شروع کر دیتے ہیں۔ مدرسہ میں داخلہ بچّوں کی معاشرتی نشوونما میں ایک سنگِ میل کا مقام رکھتا ہے۔ طرح طرح کے دوسرے بچوں سے ارتباط اور والدین سے مختلف قسم کے بالغ افراد یعنی اساتذہ کے زیرِ اثر آنے کی وجہ سے بچّے کا معاشرتی سلیقہ سلجھنے لگتا ہے۔ اس کے ذخیرۂ الفاظ میں بے پناہ ترقی ہوتی ہے۔

چھ سے بارہ برس کی درمیانی عمر میں گروہ بندی کا رُجحان بہت عام ہو جاتا ہے۔ بچّے مدرسہ اور محلہ کے چند ہمجولی منتخب کر لیتے ہیں اور ان سے مل کر طرح طرح کی شرارتیں کھیل کود، سیر و تفریح وغیرہ کرتے رہتے ہیں بسا اوقات بچپن کی یہ بظاہر معصوم گروہ بندیاں خطرناک صورت اختیار کر کے خلافِ معاشرت حرکات اور مجرمانہ افعال کی حد تک بھی پہنچ جاتی ہیں۔

اس عمر میں گروہی اور منظم کھیلوں کو بھی بہت مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔ بچّے کھیل کی ٹیمیں بناتے ہیں۔ کھیل کے اصول سمجھنے اور ان پر کاربند رہنے کی

کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس دور میں بچے عموماً اپنے ہی جنس کے افراد سے میل جول اور کھیل کود کو ترجیح دیتے ہیں۔ لڑکے عموماً لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہیں ان کے کھیل کود اور تفریحی مشاغل میں مقابلہ، جرأت، دلیری وغیرہ کے عناصر نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس کے برعکس لڑکیاں لڑکیوں ہی سے میل جول رکھتی ہیں اور ان کی دلچسپیاں زیادہ گھریلوں بانوں اور کام کاج کی طرف مائل رہتی ہیں۔

بلوغت اور معاشرتی ارتقاء

عہدِ بلوغت میں بچے ایک عظیم معاشرتی انقلاب سے دوچار ہوتے ہیں۔ ان میں مقابل جنس کی طرف کشش بڑھنے لگتی ہے۔ ان ملکوں میں جہاں معاشرے نے بچوں کو آزاد اختلاط پر بیجا قید و بند لگا رکھے ہوں، بچوں کو بہت دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ذہنی افسردگی اور بیماریوں کے علاوہ ان میں جنسی گمراہیوں کے پھیلنے کے امکان بڑھ جاتے ہیں۔

اس دور میں بچوں میں فنی کمال حاصل کرنے کا شوق کبھی کبھی بسا اوقات جنون کی حدیں چھونے لگتا ہے۔

بچّے چاہتے ہیں کہ انھیں کوئی ہنر، کمال، فنّی صلاحیّت وغیرہ پر عبور حاصل ہوجائے تاکہ وہ جلد سے جلد کمانے کے قابل ہوکر والدین کی اقتصادی سرپرستی سے نجات حاصل کرلیں۔

بلوغت میں خود مختاری کی خواہش اپنے اَوج پر پہنچ جاتی ہے۔ بچّے یوں سمجھنے لگتے ہیں جیسے انھیں کسی کے مشورہ اور رہنمائی وغیرہ کی قطعی ضرورت نہیں۔ وہ قید و بند کو بہت بُرا تصور کرتے ہیں۔ اس خود نمائی اور خود مختاری کے جذبہ کی مناسب تربیت کی جائے تو بچّوں میں قیادت اور تخلیق کی صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں، جو آئندہ زندگی میں بہت آڑے آتی ہیں۔ اس کے برعکس اگر بچّوں کو بالکل ہی بے لگام چھوڑ دیا جائے یا اُن کے خود مختاری کے تقاضوں کو اندھا دھند کچل دیا جائے تو بلوغت کے سرکش جذبوں اور خواہشوں کا خلافِ معاشرت سمتوں میں بڑھ جانے کا سخت خارشہ لاحق ہوجاتا ہے۔

معاشرتی صحت کی تعلیمی اہمیّت

کامیاب زندگی کا بیشتر انحصار فرد کی معاشرتی صحت پر ہے

اگر بچوں کو ایک دوسرے سے اچھی طرح ملنے، وقت پر کھیلنے اور وقت پر کام کاج کرنے کی مناسب تربیت دی جائے تو وہ معاشرتی طور پر صحت مند افراد کی صورت میں پروان چڑھتے ہیں۔

والدین اور اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ بچوں کی معاشرتی صحت کا خصوصی خیال رکھیں۔ گھر میں بچوں کے کھیل کود اور تفریح کا مناسب اہتمام ہونا چاہیئے۔ بچوں کے باہمی جھگڑوں اور رنجشوں کا بروقت مداوا ہونا چاہیے۔ مدرسہ میں نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ کھیل کود اور سیر و تفریح کے خصوصی انتظامات ہونے چاہئیں۔ گروہی کھیلوں کے علاوہ سکاوٹنگ اور گائیڈنگ بچوں کی معاشرتی نشوونما پر خاطر خواہ اثر ڈالتی ہے۔ معلم کو چاہیئے کہ بچوں کو سکاوٹنگ میں حصہ لینے پر آمادہ کریں۔

خوش گوار ذاتی تعلقات:۔ معاشرتی نشوونما میں ذاتی تعلقات کو بہت دخل ہے۔ اگر معلم اور بچوں کے درمیان خوشگوار اور رفیقانہ تعلقات موجود ہوں تو ان کی معاشرتی صحت پر بہت خوشگوار اثر پڑتا ہے۔ پرانے وقتوں میں معلم اور متعلم کے مابین ایک جذباتی لگاؤ ہوا کرتا تھا۔ بچے کی شخصیت پر اس جذباتی لگاؤ کا اثر بہت اچھا ہوتا تھا۔

معلّم سے مناسب ذاتی تعلق کی بنا پر بچّے اس کی تعلیمات کو اپنانے میں زیادہ بہتر طریق سے کامیاب ہوتے ہیں۔ اس قسم کے خوشگوار تعلقات انھیں اپنے ہمجولیوں، والدین۔ ہمسایوں اور دوسرے انسانوں کو سمجھنے، ان کے قریب آنے، اُن سے تعاون کرنے، ان کی خوشی اور غمی میں شرکت کرنے اور سارے معاشرے کے لئے باعثِ رحمت بننے میں بہت کام آتے ہیں۔

کسی جامع اور متوازن نظامِ تعلیم میں بچّوں کی معاشرتی تعلیم کو وہی مقام دیا جانا چاہیئے، جو اُن کی نصابی تعلیم کو دیا جاتا ہے۔ اجتماعی کھیل کود۔ سیر و تفریح، دلچسپیاں اور مشغلے، خوشگوار ذاتی تعلقات اور تلقین و تدریس۔ غرضیکہ ہر قسم کے متنوّع ذرائع سے اس بات کی منظم کوشش کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے کہ بچّے خود پسندی اور عزلت نشینی اختیار کرنے کی بجائے گروہی اور اجتماعی فکر اور کردار کو بہتر طریق سے اپنانے کے قابل ہو سکیں۔

ساتواں باب

جذباتی نشوونما

کسی احساس کی شدت، جدت اور تلاطم کا نام جذبہ ہے۔ جذبات جب جوش میں آتے ہیں تو فرد اپنے اندر ایک عجب کہرام محسوس کرتا ہے۔ دیکھنے والے اس کے جسمانی تغیر و تبدل سے بھانپ لیتے ہیں کہ اس پر کوئی مخصوص جذبہ چھایا ہوا ہے۔ خوف، غصہ، حقارت اور محبت کے جذبات ہم اپنی روزمرہ زندگی میں عام محسوس کرتے رہتے ہیں۔ ہماری زندگی میں حصولِ مقصد کے لئے تڑپ، حرکت، جدّوجہد اور انقلاب بہت حد تک ہمارے جذبات ہی کی بدولت رونما ہوتے ہیں۔ مگر جذبات کو زیادہ ڈھیل دیدی جائے تو زندگی میں طوفان بے تمیزی برپا ہو جاتا ہے جس سے شخصیت کی نشوونما کو سخت ٹھیس لگتی ہے۔

جذبات کی خصوصیات

جذبات کی چند موٹی موٹی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:-

۱- ناگہانی نوعیّت
۲- جسمانی تغیّرات
۳- الم یا لذّت کا پہلو
۴- پیچیدہ اور شعوری فعل
۵- خارجی تعلّق
۶- بے پناہ قوّت
۷- دیرپا اثر
۸- متعدّیت
۹- زندگی میں تسلّط

ناگہانی نوعیت : جذبہ اچانک اور یک دم پیدا ہوتا ہے ۔ لیکن اس کا اثر بہت دیر تک رہتا ہے ، اور آہستہ آہستہ زائل ہوتا ہے ۔ پروفیسر کانٹ نے جذبے کو ایک ایسے سیلاب زدہ دریا سے تشبیہ دی ہے، جو اپنا بند تک توڑ ڈالتا ہے ۔ مثال کے طور پر غصّہ ہی کو لے لیجئے ۔ ہم غصہ میں فوراً لال پیلے ہو جاتے ہیں ۔ لیکن ٹھنڈا ہونے میں بہت دیر لگتی ہے

جسمانی تغیّرات ۔ جذبات میں جسمانی تغیرات کو بہت دخل ہے ۔ جذبوں اور ان جسمانی تغیّرات آپس میں اس قدر گہرا تعلّق ہے کہ ان کے بغیر کوئی جذبہ جذبہ

نہیں رہتا۔ غصہ میں ہم انتہائی برانگیختگی کے عالم میں ہوتے ہیں، چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے، دانت پس جاتے ہیں، مٹھیاں بھنچ جاتی ہیں، بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اگر یہ جسمانی تغیّرات موجود نہ ہوں تو غصّہ غصہ نہیں نہیں رہتا۔

بعض جسمانی کیفیتیں جذبات پیدا کرنے کی ذمہ دار بنتی ہیں۔ موٹے آدمی عموماً ہنس مکھ اور خوش مزاج ہوتے ہیں۔ بیماری سے اکثر لوگوں میں غصّہ اور چڑچڑاپن آجاتا ہے۔ جذبات میں جسمانی تغیّرات اور کیفیات کی اہمیت سے انکار محال ہے مگر "جیمز لانگے کا نظریہ جذبات" اس پہلو کو بہت مبالغہ آمیز اہمیت دیتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق انہی جسمانی تغیّرات کا نام جذبہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ان جسمانی تبدیلیوں کے بغیر جذبے کا وجود ناممکن ہے۔ مگر جذبے کو محض جسمانی تغیّر ہی قرار دے دینا بہت زیادتی ہے۔ جذبہ کا غالب عنصر اس کا ذہنی پہلو ہے اور اس کی اہمیت سے انکار محال ہے۔

اَلم یا لذّت کا پہلو:۔ ہر جذبہ میں الم یا لذّت کا پہلو ضرور ہوتا ہے۔ اَلم یا لذّت کے پہلو سے خالی جذبہ ناممکن ہے۔

پیچیدہ اور شعوری فعل: جذبہ نہایت پیچیدہ اور شعوری فعل ہے۔ جذباتی ہیجان کسی ایک ہی مہیج سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ صحیح جذباتی ہیجان پیدا ہونے کے لئے ماحول کے متعدد عناصر ذمہ دار ہوتے ہیں۔ جنگل میں ریچھ دیکھ کر ہم سب کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ مگر سدھایا ہوا ریچھ جس کی ناک میں نکیل بندھی ہو، اور جو مداری کے اشاروں پر ناچ رہا ہو، ڈر، خوف پیدا کرنے کی بجائے ہمارے لئے باعثِ تفریح ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس مخصوص ماحول کا ریچھ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

خارجی تعلق: کسی خارجی واقعہ یا چیز سے متعلق ہونا جذبے کا ضروری عنصر ہے۔ مثلاً ڈر یونہی ہوا میں پیدا نہیں ہو جاتا۔ ہم کسی جانور یا کسی بھیانک جگہ سے ڈر محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح غصہ، نفرت اور حقارت کے جذبات بھی کسی نہ کسی چیز یا واقعہ سے ضرور وابستہ ہوتے ہیں۔

بے پناہ قوت: جذبے کی شدت سے جسم کے اندر ایک برقی قوت سی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو ہمیں اپنے روزمرہ مشاغل میں زیادہ سرگرمِ عمل کر دیتی ہے۔ مگر

جذبات ہمارے فکر اور کردار میں تعطل بھی پیدا کرسکتے ہیں ۔ زیادہ خوف طاری ہو جانے سے مقرر پر کپکپی سی طاری ہو جاتی ہے اور اس کی قوتِ گویائی جواب دے جاتی ہے زیادہ غصے میں بسا اوقات ہمارا جسم کچھ اس طرح مفلوج سا ہو جاتا ہے کہ ہم کچھ کرنے سے قطعی عاجز آ جاتے ہیں ۔

دیرپا اثر: اگر کوئی جذبہ ہم پر بہت شدت سے چھا جائے تو پھر ہم کافی دیر اس کے اثر تلے دبے رہتے ہیں اور اس کے اظہار کے لئے مناسب موقعوں کی جستجو میں لگے رہتے ہیں ۔ ایک افلاس زدہ معلم بیوی سے جھگڑ کر سخت غصہ کی حالت میں مدرسے پہنچتا ہے تو بیچارے چپڑاسی کو بیجا ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگتا ہے شاگردوں کو بات بات پر جھڑکتا ہے اور کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا ۔

متعدیت :- متعدی ہونے کی وجہ سے جذبات ایک شخص سے دوسرے شخص میں سرایت کر جاتے ہیں ۔ غصیلے مستری کی وجہ سے ماتحت کاریگروں کا مزاج بھی غیر متوازن رہتا ہے ۔ بدمزاج معلم کے زیر اثر طلبہ بھی آپس میں لڑنے جھگڑنے کی طرف مائل رہتے

ہیں ۔ جھگڑالو والدین کے بچے بھی عموماً گرم مزاج ثابت ہوتے ہیں ۔

زندگی میں تسلّط :۔ جذبات ہماری زندگی کے تمام شعبوں پر مسلّط ہیں ۔ آئے دن کے لڑائی جھگڑے کشت و خون ، حادثے ، ہڑتالیں ، گھریلو تنازعے اور طلاق کے المیئے گرمیٔ جذبات ہی کے کرشمے ہیں ۔ اس کے برعکس خوش مزاجی ، بذلہ سنجی ، لطیفہ گوئی وغیرہ کامیاب اور متوازن جذباتی زندگی کی علامتیں ہیں ۔

بالک پن اور جذباتی نشوونما

نوزائیدہ بچے کی جذباتی کیفیات سے متعلق ماہرینِ نفسیات میں اختلاف ہے ۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ دُکھ درد ، اضطراب ، خوف وغیرہ کے جذبے بچوں میں ابتدا ہی سے موجود ہوتے ہیں ۔ کئی ایک ماہرین کا نظریہ ہے کہ یہ جذبے تجربہ اور تربیت کی بنا پر محسوس ہونا شروع ہوتے ہیں ۔ بہرکیف نوزائیدہ بچوں کی جسمانی حرکات اور ان کی چیخ و پکار وغیرہ اس بات کی غمّازی کرتے ہیں کہ اس ابتدائی دَور میں بھی ان میں

کسی نہ کسی قسم کے جذباتی محسوسات ضرور موجود ہوتے ہیں۔
نوعمر بچّوں کی جذباتی زندگی پر سب سے پہلے امریکی ماہرِ نفسیات واٹسن نے تجربات و تحقیقات شروع کیں۔ چند ننھے بچّوں پر مسلسل تجربوں کے بعد واٹسن اس نتیجے پر پہنچا کہ بچّوں کو جذبات وراثت میں نہیں ملتے بلکہ ماحول اور تربیت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس نے یہ ثابت کیا کہ بچّوں کو اندھیرے، آگ، سانپ وغیرہ کا خوف تربیت سے پیدا کیا جا سکتا ہے اور مٹایا بھی جا سکتا ہے۔

بالک پن میں بچّوں کی جذباتی زندگی میں کوئی خاص نظم و نسق نہیں ہوتا۔ ننھے بچّے جب جی چاہے ہنس دیتے ہیں، رو لیتے ہیں، روٹھ جاتے ہیں۔ پھر مان بھی جاتے ہیں۔ آپ ہی آپ دوست بھی بن جاتے ہیں۔ اور پھر سرد مہری اور غصّہ و نفرت کا اظہار بھی کرنے لگتے ہیں۔ جذباتی تلوّن اور غیر مستقل مزاجی اس دَور کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

بچپن اور جذباتی نشوونما

بچپن کے آغاز اور مدرسہ میں داخلہ سے بچّوں

کی جذباتی زندگی میں خاطر خواہ تبدیلیاں رونما ہونے لگتی ہیں۔ ان میں جذبات پر قابو پانے اور انھیں بہتر سمتوں میں بیان کرنے کی شدبد پیدا ہونے لگتی ہے۔ لڑنے جھگڑنے اور گالیاں بکنے کے رجحان میں تنزل واقع ہونے لگتا ہے۔

اس دور میں جذباتی اختیار اور تنظیم و نسق پیدا کرنے میں مندرجہ ذیل عناصر بہت ممد ثابت ہوتے ہیں :-

۱۔ جسمانی صحت
۲۔ والدین کی جذباتی زندگی
۳۔ اشتعال انگیز افراد اور حوادث سے اجتناب
۴۔ متوازن نظم و نسق۔

جسمانی صحت :- جسمانی بیماریاں یا کمزوری وغیرہ مزاج میں غصّہ اور چڑچڑاپن پیدا کرتی ہیں۔ اس کے برعکس بہتر جسمانی حالت جذبوں میں توازن اور تنظیم پیدا کرتی ہے۔

والدین کی جذباتی زندگی :- والدین کی عمومی جذباتی زندگی اور بچوں سے روز مرّہ سلوک بھی بچّوں کی جذباتی نشو و نما پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ والدین کی خوش مزاجی اولاد سے مناسب پیار اور ان کی نگہداشت بچّوں کی جذباتی صحت کو خوشگوار سانچوں میں ڈھالنے کا ذمّہ دار

بنتی ہے۔ اس کے برعکس ماں باپ کی بدمزاجی، جذباتی تلوّن اور اولاد سے سرد مہری یا غیر مناسب تربیت بچّوں کی جذباتی صحت بگاڑنے کا سبب بنتی ہے۔

اشتعال انگیز افراد اور حوادث سے اجتناب:

اشتعال انگیز افراد اور حوادث بھی بچّوں کی جذباتی نشوونما پر بیحد ناگوار اثر ڈالتے ہیں۔ ایسے افراد اور حوادث سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

متوازن نظم و نسق:- مدرسہ اور گھر کا غیر مناسب نظم و نسق بچّوں کی جذباتی صحت برباد کر دیتا ہے۔ بچّوں پر حد سے زیادہ قید و بند لگا دینا یا انھیں ضرورت سے زیادہ ڈھیل دے دینے کی پالیسی مدرسہ اور گھر دونوں جگہ بچّوں کے لئے مہلک ثابت ہوتی ہے بہترین نظم و نسق ایسا ضابطہ ہے جو بچّوں کو معقول آزادی اور اختیار بھی دیتا ہے اور ان کی نگرانی کے مناسب سامان بھی مہیا کرتا ہے۔ اساتذہ اور والدین کا ایک ایسا متوازن رویہ جس میں اختیار اور نگرانی کا متوازن امتزاج موجود ہو، بچّوں کی جذباتی صحت کے لئے بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔

بُلوغت اور جذباتی نشوو ارتقاء

بُلوغت میں سرعت رفتار جسمانی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ جذباتی زندگی میں بھی مزید ہیجان رونما ہونے لگتا ہے۔ اکثر بالغ اپنے اندر تناؤ اور کھچاؤ محسوس کرنے لگتے ہیں۔ ان کا مزاج چڑچڑا رہنے لگتا ہے۔ وہ ہر ایک سے الجھتے نظر آتے ہیں۔ بسا اوقات یہ جذباتی کشیدگی اُن میں اپنے ماحول سے متعلق حد درجہ بے اعتنائی اور عدم دلچسپی بھی پیدا کر دیتی ہے۔

اس دور میں بیجا وہم اور خوف بڑی شدّت سے ذہن پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ چونکہ جسم اور ذہن میں ایک کھلبلی مچی ہوتی ہے۔ اس لیے خوف، وہم اور اضطراب کو پھلنے پھولنے کا موقع مل جاتا ہے۔ بالغ اپنے جسم کے تغیرات سے یونہی ہراساں رہنے لگتے ہیں۔ بسا اوقات ان خوفوں اور وہموں میں اس درجہ شدّت واقع ہو جاتی ہے کہ وہ شب بیداری، نیند میں بڑبڑانے اور چلنے پھرنے کی امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان خفیف ذہنی تکالیف کا اگر بروقت علاج نہ کیا جائے تو یہ دیوانگی کی

صورت اختیار کر جاتی ہیں۔
بسا اوقات بلوغت کی ابتدا گھریلو زندگی میں طرح طرح کے ہنگاموں کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ بالغ لڑکے لڑکیاں گھر میں والدین، بہن بھائیوں اور رشتہ داروں سے یونہی اُلجھنے لگتے ہیں۔ بالغوں کے جذباتی ہنگامے کئی دفعہ گھر کے افراد، مدرسہ کے ساتھیوں اور معاشرہ کے لئے باعثِ زحمت بن جاتے ہیں۔
بلوغت میں جنسی کشش بھی بہت شدت پکڑ جاتی ہے۔ لڑکے لڑکیاں بڑی شدّ و مد سے ایک دوسرے کی طرف فطری رغبت محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اگر اس دَور میں مناسب جنسی رہنمائی میسّر نہ آئے تو بالغوں کے جنسی گمراہیوں میں بھٹک جانے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔
گھر اور مدرسہ میں مناسب رہنمائی، کام اور کھیل کے متوازن امتزاج اور آزادی اور نگرانی کے ملے جُلے ماحَول سے بالغوں کے جذباتی تلاطم میں سکون آنے لگتا ہے۔ مناسب تفریحوں، معاشرتی اور مذہبی تعلیم اور نفسیاتی رہنمائی سے بالغ جذباتی طفولیّت اور کہرام کے عالم سے نکلنے اور جذباتی بلوغت اور سلجھاؤ کے مقام کی طرف بڑھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

جذباتی تربیت کے اصول

بچوں کی جذباتی تربیت والدین اور اساتذہ کا اہم ترین فریضہ ہے۔ ماہرین نفسیات نے سائنسی انداز میں جذبات کی عمومی تربیت کے لئے مندرجہ ذیل طریقے تجویز کئے ہیں :-

۱۔ تصعید
۲۔ تنقیہ
۳۔ ضبطِ جذبات
۴۔ مشاغل میں مصروفیت
۵۔ انحراف

تصعید : کسی فطری رُجحان کو اس کی فوری اور فطری غرض سے ہٹا کر کسی بہتر اور بلند نصب العین کے تابع کرنے کو تصعید کہتے ہیں۔ اپنے شہوانی جذبات کو مُخربِ اخلاق مشاغل میں صرف کرنے کی بجائے بہن بھائیوں، قوم، وطن اور مذہب سے لگاؤ کی صورت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کی تصعیدی تربیت بچوں کی جذباتی تربیت میں سنگِ میل کا مقام رکھتی ہے۔

تنقیہ : جذبات کا اندر ہی اندر گھٹتے رہنا بچوں کی ذہنی اور جسمانی زندگی کے لئے بہت مضر ہے ۔ اس لئے ڈرامہ ، رقص ، موسیقی ، مصوّری ، سینما ، لطیفہ گوئی ، ہنسی مذاق اور دیگر تفریحی مشاغل کے ذریعہ جذبات کی بھڑاس نکالنے کی تربیت بچّوں کو بہت آڑے آتی ہے ۔ گھٹے ہوئے جذبات کو اس طرح باہر نکال کر دل ہلکا کرنے کو تنقیہ کہتے ہیں ۔

ضبطِ جذبات : اگرچہ کسی نہ کسی انداز میں جذبات کا تنقیہ ضروری ہے ، تاہم متمدن معاشرت کے لئے ہمیں اکثر جذبات دبانے بھی پڑتے ہیں ۔ اس لئے کامیاب اور متوازن زندگی کے لئے بچّوں کو مناسب موقعوں پر ضبطِ جذبات کی تربیت دینا بھی بہت ضروری ہے ۔

مشاغل میں مصروفیت : "بیکار آدمی کا ذہن شیطان کی آماجگاہ ہوتا ہے "۔ جذبات کو ہماری شخصیت کے اندر شور وغوغا برپا کرنے کا موقع عموماً اس وقت ہاتھ آتا ہے ۔ جب ہم فارغ ہوں ۔ اس لئے مَن کی دُنیا کو جذباتی فساد کی لپٹ سے محفوظ رکھنے کے لئے بچّوں کو ہر لحظہ کسی نہ کسی مشغلہ میں مصروف رکھنا چاہیئے اُن میں شروع ہی سے اپنے آپ کو اچھے اچھے اور

دلچسپ مشاغل میں مصروف رکھ کر جذبات میں توازن رکھنے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔

اِنحراف: جذبات برانگیختہ کرنے والے افراد، اشیاء، ماحول اور حوادث سے بچوں کو حتی الوسع دور رکھا جائے تو بھی ان کی جذباتی صحت کو بہتر طور پر پھلنے پھولنے کے مواقع میسر آجاتے ہیں۔

جذباتی صحت کی تعلیمی اہمیت

کامیاب زندگی میں جذباتی صحت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اگر بچپن میں متوازن جذباتی زندگی بسر کرنے کی مناسب تربیت میسر آجائے تو بچے کے ہنس مُکھ اور کامیاب بالغ شہری بننے کے امکان بڑھ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر شروع بچپن ہی سے جذباتی ماحول ناسازگار رہا ہو، تو آئندہ زندگی میں بدمزاجی، جہالت اور ناکامی کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں۔

اساتذہ اور والدین کا فرض ہے کہ بچوں کی جذباتی تعلیم و تربیت کے فریضہ کو نہایت فہم و فراست سے سرانجام دیں۔ گھر پر بچوں کے لئے بہتر نگہداشت اور معقول شفقت کا ماحول مہیا کیا جائے۔ اُن کی ضد

اَڑی، لڑائی جھگڑوں، رنجشوں اور الجھنوں کا حل ڈھونڈنے کی پوری پوری کوشش کی جائے اور ان کی تربیت کے ضابطوں میں آزادی اور نگرانی کے اصولوں کا نہایت خوشگوار تناسب رکھا جائے۔

مدرسہ میں معلّم کو طلبہ کے سامنے اپنے تئیں ایک مثالی شخصیت کی حیثیت سے پیش کرنے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ خوش مزاج، باہمت اور پُرامید معلّم بچّوں میں بہتر جذباتی اوصاف پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اس کے برعکس ایک ایسا معلّم جو خود جذباتی صحت سے محروم ہو، بچّوں کی جذباتی نشوونما کے لئے نااہل اور مہلک ثابت ہوتا ہے۔

مدرسہ میں مناسب تفریحوں کا اہتمام بچّوں کی جذباتی صحت کو ترقی دینے میں بہت ممد ثابت ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے کھیلوں اور معاشرتی سرگرمیوں کو وہی اہمیت دینی چاہیئے، جو عموماً درسی تعلیم کو دی جاتی ہے۔

بچّوں کی چھوٹی موٹی جذباتی الجھنوں کا حل تو مدرّس خود بھی تلاش کرسکتا ہے۔ مگر پیچیدہ قسم کی جذباتی تکالیف کے لئے معلّم کو بچّوں کی نفسیات کے ماہرین سے مشورہ طلب کرنا چاہیئے۔ اگر ہوسکے تو ہر مدرسہ میں

ایک چھوٹا سا نفسیاتی کلینک قائم کرنا چاہیے جس میں ان بچوں کا باقاعدہ نفسیاتی تجزیہ اور علاج ہو، جو طرح طرح کی جذباتی الجھنوں اور بیماریوں کا شکار ہو کر مدرسہ کے ساتھیوں اور سارے معاشرے کی ذہنی صحت کو خطرے میں ڈالنے کا باعث بن جاتے ہیں۔

آٹھواں باب

ذہنی نشوونما

ذہنی نشوونما فقط تعلیمی اور نصابی امور تک ہی محدود نہیں ہے۔ نشوونما کے اس پہلو میں ذہن کی تمام اعلیٰ عقلی، عملی، تخیلی اور حقیقی تحصیلات شامل ہیں۔ بچوں کی ذہنی نشوونما میں مدرسہ، گھر اور معاشرہ کے متعدد افراد اور ادارے حصہ لیتے ہیں۔

بالک پن اور ذہنی نشوونما

ننھے بچوں کی ذہنی استعداد کا اندازہ لگانا قدرے مشکل امر ہے۔ بچے ابتدائی عمر ہی میں چھوٹے بڑے، نزدیک اور دور وغیرہ میں تمیز کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ رنگوں، آوازوں، وزن اور وقت وغیرہ کی تھوڑی بہت شد بد بھی ابتدائی سالوں میں مشاہدہ کی جا سکتی ہے۔

توجہ دینے کی صلاحیت بھی بالک پن میں نمایاں ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ عمر کے بڑھنے کے ساتھ

ساتھ یہ صلاحیت ترقی کرتی جاتی ہے ۔ چھوٹے بچوں کے حافظہ پر متعدد نفسیاتی تجربے کئے گئے ہیں۔ ابتدائی عمر میں بچّے جن اشیاء کو دیکھتے یا سنتے ہیں، اُن میں سے کسی ایک کو کافی عرصہ تک یاد بھی رکھ سکتے ہیں۔

بچوں کے تخلیقی کارناموں سے بھی ان کی ذہنی نشوونما کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تقریباً ہر ملک کے بچوں کو تصویر کشی کا بہت شوق ہوتا ہے۔ ابتدائی عمر میں بنائی ہوئی تصویروں اور خاکوں وغیرہ سے بھی بچّوں کے ذہنی معیار سے متعلق کافی واقفیت ہوتی ہے۔ ابتدا میں بچوں کی قوتِ اندازہ اور استدلال بہت ہنسی آمیز اور غیر پختہ ہوتا ہے۔ تجربہ اور تربیت سے اس سمت میں کافی ترقی ہوتی رہتی ہے۔

زبان کا ارتقاء ذہنی نشوونما کا بہترین آئینہ دار ہے۔ بالک پن میں زبان دانی حیرت انگیز سرعت سے ترقی کرتی ہے۔ صدائے ولادت سے بچّے کی زبان کا افتتاح ہوتا ہے۔ مدرسہ میں داخل ہونے سے پہلے وہ تقریباً ڈھائی ہزار الفاظ سیکھ لیتا ہے۔ عام بچّے اس دور میں جس رفتار سے الفاظ سمجھنے کی صلاحیت کا مظاہرہ

کرتے ہیں، وہ مندرجہ ذیل نقشہ سے واضح ہے۔

ننھّے بچّوں کا ذخیرۂ الفاظ

عمر	الفاظ کی تعداد جو وہ عموماً سمجھتے ہیں
پہلا سال	۳
دوسرا سال	۲۷۲
تیسرا سال	۸۹۶
چوتھا سال	۱۵۴۰
پانچواں سال	۲۰۷۲
چھٹا سال	۲۵۶۲

الفاظ کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ ننھے مُنّے فقرے تشکیل کرنے کی صلاحیت بھی ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔ زبان سیکھنے کی رفتار ذہنی صحت پر بھی منحصر ہے۔ ذہنی مریض یا کم ذہین بچّے زبان سیکھنے میں بہت سستی اور نالائقی کا ثبوت دیتے ہیں۔ اس کے برعکس صحت مند اور ذہین بچّے زبان دانی کے مختلف مراحل بغیر دقّت کے طے کر لیتے ہیں۔ ذہنی عناصر کے علاوہ جذباتی

معاشرتی اور اقتصادی عناصر کو بھی اس سلسلہ میں کافی اہمیت حاصل ہے۔

بچپن اور ذہنی نشوونما

مدرسہ میں داخل ہونے سے بچوّں کی ذہنی نشوونما کو مزید تقویت ملتی ہے۔ نصابی تعلیم اور معاشرتی ارتباط سے بچوّں کی زبان دانی میں بھی قابلِ قدر اضافہ ہوتا ہے۔ مدرسہ میں بچوّں کو مادری زبانوں کے علاوہ دوسری زبانیں سیکھنے کا بھی موقع ملتا ہے۔

ہمارے ہاں عام بچّے کو اردو کے علاوہ عربی، فارسی ہندی اور انگریزی بھی پڑھنا پڑتی ہے۔ ابتدا ہی سے بچّے پر زیادہ زبانیں سیکھنے کا بوجھ لاد دینا کچھ زیادہ مصلحت معلوم نہیں ہوتا۔ اس سے بچّے کے ذہن میں ایک لغوی اور نحوی کہرام اور انتشار برپا ہو جانے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے، جس سے ان کی ذہنی صحت بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ غیر مادری زبانوں کی تعلیم کو اس وقت شروع کیا جائے۔ جب بچّہ ذہنی اور جسمانی طور پر کچھ بڑھ چکا ہو۔

بچپن میں قوتِ فکر و استدلال میں مسلسل ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اس ترقی کی نوعیت اور رفتار کو نفسیاتی آزمائشوں کی مدد سے ناپا بھی جا سکتا ہے۔ بڑوں کی نسبت بچوں کا فکر و استدلال بہت خام ہوتا ہے۔ بچوں اور بڑوں کے استدلال میں مندرجہ ذیل فرق ہوتا ہے:-

۱- بالغوں کے برعکس بچوں کا ذخیرۂ الفاظ اتنا وسیع نہیں ہوتا کہ وہ ہر دلیل کو بہتر طریق سے پیش کر سکیں۔

۲- بچوں کی معلومات محدود ہوتی ہیں۔ اس لئے بڑوں کے برعکس ان کے فکر و استدلال کی بنا ضروری طور پر حقائق پر مبنی نہیں ہو سکتی۔

۳- بچوں میں قوتِ توجہ اور غور و غوض کی صلاحیت بھی نسبتاً کم ہوتی ہے۔

۴- بچوں کا دائرۂ نظر زیادہ تر اپنے ذاتی اُمور تک محدود ہوتا ہے۔ اس لئے وہ عموماً ان امور سے متعلق ہی اچھی طرح استدلال کر سکتے ہیں۔

۵- بچوں میں مسائل کو سمجھنے، ان کا تجزیہ کرنے اور ان کے منطقی حل ڈھونڈنے کی صلاحیت نسبتاً کم ہوتی ہے۔

بچّوں کی حسّاس قوّتِ مشاہدہ اور شاداب تخیّل ان کے ذہنی نشوو ارتقاء کا باعث بنتے ہیں۔ بچّوں کی تصویر کشی، تحریروں، گپ بازی اور خوابوں سے ان کے تخلیقی تخیّل کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس عمر میں مناسب ذہنی غذا اور سائنسی رہنمائی سے ان کے تخیّل کو بہتر سمتوں میں بڑھنے کا موقع مل سکتا ہے۔ عمدہ کتابیں، رسالے، ریڈیو کے پروگرام، نظمیں اور ترانے، بچّوں کی مخصوص فلمیں اور ڈرامے وغیرہ ان کی ذہنی نشوونما پر نہایت خوشگوار اثر ڈالتے ہیں۔

بلوغت اور ذہنی نشوونما

بلوغت میں بچّوں کی ذہانت بہت ترقی کرتی ہے پڑھنے کے مذاق میں خاصی ترقی اور تغیر واقع ہوتا ہے۔ رومان، جنس، سیاحت، دریافت وغیرہ کے موضوعوں پر کتابیں پڑھنے کا شوق بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ کثرت سے سینما دیکھنے کی خواہش بھی ترقی کر جاتی ہے۔ اس دور میں لڑائی اور مار کٹائی والی کتابوں اور فلموں کی بجائے رومان اور سراغ رسانی کے موضوعوں کی طرف زیادہ

رغبت ہونے لگتی ہے۔
والدین کی تربیت اور کچھ اپنے احساسِ فرض کی بنا پر بلوغت میں اپنی تعلیم کو اچھی طرح اور جلد از جلد مکمل کرنے اور برسرِ روزگار ہونے کی خواہش بھی شدید ہونے لگتی ہے۔ اکثر بڑے بچّے یہ سوچنا شروع کردیتے ہیں کہ مدرسہ کی تعلیم ختم کرکے کالج میں داخل ہوں یا کوئی ملازمت اختیار کرلیں۔ کالج میں داخل ہونے والوں کے سامنے مضامین کا انتخاب اور روزگار ڈھونڈھنے والوں کے لئے مناسب اور معقول ملازمت یا کام وغیرہ کی تلاش کے مسائل بسا اوقات کافی پریشانی کا باعث بن جاتے ہیں۔ اگر مناسب رہنمائی میسر نہ آئے تو اپنے غلط فیصلوں یا گمراہیوں کی وجہ سے بلوغت سے گزرتے ہوئے بچّوں کو بہت کٹھن ذہنی الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ذہنی نشو ونما کی تعلیمی اہمیّت

اساتذہ اور والدین ذہنی نشو ونما کے سلسلہ میں بچّوں کی بہت مدد کرسکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل

امور کو ذہن نشین رکھا جائے تو بے شمار بچّوں کو متعدد خطروں سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے ۔

۱- فریق بندی کا معاملہ
۲- موزوں طریق تعلیم
۳- زبان کی صحت
۴- واضح فکر و استدلال
۵- تخلیقی مشاغل
۶- ناقص الذہانت بچّوں کا مسئلہ ۔

فریق بندی کا معاملہ : مدرسہ میں فریق بندی ہمیشہ کسی اصول کے ماتحت ہونی چاہیے ۔ بہترین طریق یہ ہے کہ بچّوں کو ان کی ذہانت اور ذہنی پختگی کے اعتبار سے مختلف فریقوں میں رکھا جائے تاکہ معلّم اور طلبہ کو تعلیم کے بارے میں کوئی دقّت محسوس نہ ہو ۔

موزوں طریق تعلیم :- طریق تعلیم اس قدر خوشگوار دلچسپ اور مؤثر ہونا چاہیے کہ اس سے بچّوں کی ذہنی صلاحیتیں اور تخلیقی قوتیں اجاگر ہوں ۔

زبان کی صحت :- ذہنی نشوونما کے لئے زبان کی صحت مقدم ہے ۔ گھر اور مدرسہ میں بچّوں کو ایسے ماحول اور ایسی صحبت میں رکھنا چاہیے ، جس میں ان کی زبان کو صحیح

اور تخلیقی سانچوں میں ڈھلنے کا موقع ملے۔

واضح فکر و استدلال:۔ بچوں میں ابتدائی عمر ہی سے واضح سوچ بچار اور سلجھے ہوئے استدلال کی عادت ڈالنی چاہیئے۔

تخلیقی مشاغل:۔ مختلف تخلیقی مشاغل مثلاً کتب بینی تصویر کشی، ڈرامہ، بحث و تمحیص، تعلیمی کھیل (مثلاً تعلیمی تاش) وغیرہ میں بچوں کی دلچسپی پیدا کی جائے تو اس سے ان کی ذہنی نشو و نما کو قابلِ قدر مدد ملتی ہے۔

ناقص الذّہانت بچّوں کا مسئلہ:۔ پھسڈّی، کُند ذہن، غبی اور طرح طرح کے دیگر ناقص ذہانت والے بچّوں کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ناقص الذّہانت بچّوں کی طرف اساتذہ اور والدین عموماً دو قسم کے انتہا پسند رویّے اختیار کر لیتے ہیں:۔

(ا) ان کو قطعی نظر انداز کر دینا۔

(ب) ان کے پیچھے لٹھ لے کے پڑ جانا۔

یہ ہر دو رویّے ایسے بچّوں کی ذہنی نشو و نما کے لئے مزید نقصان دہ ہوتے ہیں۔

ان بچّوں کی طرف متحمل رویّہ اختیار کرنا چاہیئے۔ انھیں ایسے ایسے آسان کام دینے چاہئیں جنہیں وہ بخوبی حل

کرسکیں ۔ ابتدائی کامیابیوں سے ان میں مزید تحصیل کا ولولہ پیدا ہوتا ہے ۔ جس سے ان کے ذہنی جمود ٹوٹنے کے امکان بڑھ جاتے ہیں ۔

نواں باب

انفرادی اختلافات

ہماری اس کائنات کی رونق اور دل چسپی کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ اس میں بسنے والے افراد ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ انفرادی اختلافات زندگی کے ہر شعبہ میں مشاہدہ کئے جا سکتے ہیں۔ ہر فرد دوسروں سے ذہنی اور جسمانی خصوصیات میں کئی اعتبار سے مختلف ہے۔ نبی اکرم صلعم نے اختلافات کو رحمت سے تعبیر فرمایا ہے۔ انفرادی اختلافات کا مطالعہ بہت دل چسپ موضوع ہے۔ نفسیات کی جو شاخ ان اختلافات کا خصوصی مطالعہ کرتی ہے اسے "اختلافی نفسیات" کہتے ہیں۔

انفرادی اختلافات کے پہلو

یوں تو انفرادی اختلافات زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں ہیں۔ مگر تعلیمی زاویۂ نگاہ سے زندگی کے مندرجہ ذیل شعبوں

میں ان اختلافات کا مطالعہ بہت ممد ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ ذہانت
۲۔ تعلیمی تحصیل
۳۔ تخلیقی صلاحیتیں خصوصی رجحانات شخصی اوصاف وغیرہ
۴۔ جذباتی اور معاشرتی مطابقت

ذہانت اور انفرادی اختلافات

ذہانت کے اعتبار سے بچوں میں بہت انفرادی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ذہانت کے اختلافات کی بنا پر ٹرمین نے بچوں کی مندرجہ ذیل اقسام بنائی ہیں:۔

بچوں میں ذہانت کی تقسیم

بچے کی قسم	مقیاس ذہانت
فطین	۱۴۰ یا اس سے زیادہ
ذہین اعلیٰ اور ذہین اعلیٰ تر	۱۱۰ سے ۱۴۰ تک
متوسط	۹۰ سے ۱۱۰ تک
کند ذہن	۸۰ سے ۹۰ تک
احمق	۸۰ سے کم
ناقص العقل	۷۰ سے کم

مختلف بچّوں کی مقیاسِ ذہانت میں ان انفرادی اختلافات کو بہت تعلیمی اہمیت حاصل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ ذہانت کے بچّے مشکل ترین علمی امور کو بھی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اس لئے اس بات کا خصوصی خیال رکھنا چاہیے کہ ان کی تعلیم عام لکھائی پڑھائی تک ہی محدود نہ رہے۔ کم ذہانت والے بچّوں کی طرف خصوصی توجّہ کی ضرورت ہے۔ انھیں جماعت کے عام معیار سے نسبتاً آسان تعلیمی کام دینا چاہیئے۔

مسلسل مشاہدوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر ملک میں اکثر بچّوں کی ذہانت متوسط درجہ کی ہوتی ہے اور اعلیٰ اور کمتر ذہانت کے بچّوں کی تعداد بہت کم۔

تعلیمی تحصیل اور انفرادی اختلافات

اساتذہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ تعلیمی استعداد اور تحصیل میں بچّے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں دو قسم کے اختلافات بچّوں میں عام مشاہدہ کئے گئے ہیں:-

(ا) عمومی تعلیمی اختلافات

(ب) خصوصی تعلیمی اختلافات

اکثر بچے ہر مضمون اور ہر تعلیمی امر میں دوسروں سے مختلف ہوتے ہیں ۔ اس قسم کے اختلافات کو عمومی تعلیمی اختلافات کہتے ہیں ۔ چنانچہ ایک ہی جماعت میں وظیفہ پانے والے بچے بھی نظر آتے ہیں اور ایسے بھی جو ہر مضمون میں ہر دفعہ فیل ہو جاتے ہیں ۔ اسی طرح بعض بچے ہر مضمون کی متوسط تحصیل کرتے ہیں اور بعض ہر مضمون میں اعلیٰ تحصیل ۔

بعض خصوصی مضامین میں استعداد اور تحصیل کی بنا پر بھی بچے ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں ۔ اس قسم کے اختلافات کو خصوصی تعلیمی اختلافات کہا جاتا ہے ۔ چنانچہ ایک بچہ دوسرے بچے سے سائنس، حساب، اسلامیات، تاریخ، جغرافیہ، معاشرتی علوم، انگریزی وغیرہ میں سے کسی ایک مضمون میں تحصیل کے اعتبار سے مختلف ہو سکتا ہے ۔ اپنی مکتبی زندگی کے مختلف ادوار میں مختلف مضامین میں ایک ہی بچے کی تحصیلات میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے ۔

صلاحیتیں، رُجحانات اور اوصاف

تخلیقی صلاحیتوں، خصوصی رُجحانوں اور شخصی اوصاف

کے بارے میں بھی بچے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔

تخلیقی صلاحیتوں میں اختلافات ابتدائی بچپن ہی سے نمایاں ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ ان اختلافات کو بچوں کی تصویر کشی، تحریر، گفتار، حتیٰ کہ کھلونوں کو پکڑنے کے انداز اور کھیل کود کے طریقوں میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

خصوصی رجحانوں میں اختلافات بھی شروع بچپن میں مشاہدہ کیے جا سکتے ہیں۔ بعض بچے طبعاً علمی اور ادبی مضامین کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ بعض کو سائنس، انجینیری وغیرہ کے مضامین سے غیر معمولی لگاؤ ہوتا ہے۔ ان خصوصی رجحانوں کا تجزیہ کر کے ابتدائی عمر ہی سے بچوں کو ان کی پسند اور میلان کے مطابق فنی تربیت دینی چاہیے۔

اسی طرح شخصی اوصاف مثلاً دیانتداری، صداقت، تعاون، رفاقت، تحمل مزاجی وغیرہ میں بھی بچے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔

جذباتی اور معاشرتی مطابقت

زندگی کے جذباتی اور معاشرتی پہلوؤں میں بھی بچے

عظیم انفرادی اختلافات کے حامل پائے گئے ہیں۔

اگر بچوں کی جذباتی زندگی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ شاذ ہی دو بچے جذباتی اعتبار سے ایک دُوسرے کے بالکل مشابہ ہوں۔ ایک ہی فرد، شئے ماحول، تجربہ یا واقعہ ایک بچے کو برانگیختہ کرتا ہے تو دوسرے کو محفوظ۔ ایک اور بچے کا جذباتی ردّ عمل ان ہر دو بچوں سے قطعی مختلف ہو سکتا ہے۔ یہ جذباتی اختلافات موروثی یا ماحولی یا ملے جلے عناصر کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

اسی طرح معاشرتی اعتبار سے بھی بچے آپس میں مختلف ہوتے ہیں۔ مختلف بچے اپنے والدین، بہن بھائیوں رشتہ داروں، ہمسایوں، اساتذہ اور ہمجولیوں سے مختلف طریق سے پیش آتے ہیں۔ ان کے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور ملنے جلنے کے انداز میں بہت تنوع نظر آتا ہے۔ بعض بچے ہر فرد اور ہر ماحول سے بہت جلد تعارف اور مطابقت پیدا کر لیتے ہیں مگر بعض اس معاملے میں بہت سُستی، کم فہمی یا نالائقی کا ثبوت دیتے ہیں۔

مُتفرق انفرادی اختلافات

ان بُنیادی انفرادی اختلافات کے علاوہ بچے کئی

ایک متفرق پہلوؤں سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ مثلاً مختلف نسلوں، قوموں، خاندانوں یا ذاتوں کے بچّوں میں باہمی اختلافات موجود ہو سکتے ہیں۔ ایک ہی قوم، نسل، خاندان یا ذات کے بچّے ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں۔

تمدّنی اور جغرافیائی عناصر بھی بچّوں میں اختلافات برپا کرنے کے ذمّہ دار بن سکتے ہیں مثلاً پنجابی اور کشمیری پٹھان اور سندھی، بنگالی اور بلوچی بچّے عادات، اطوار، رجحانات وغیرہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں۔

اپنے خاندان کے اقتصادی اور معاشرتی معیار کی وجہ سے بھی بچّوں میں اختلافات رونما ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ امیر گھرانوں کے بچّے غریب اور متوسط گھرانوں کے بچّوں سے کئی اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح مشہور و معروف خاندانوں کے بچّے گمنام یا بدنام خاندانوں کے بچّوں سے عموماً مختلف ہوتے ہیں۔

انفرادیت اور اجتماعیت کے تقاضے

بہتر نشوونما کا تقاضا ہے کہ شخصی انفرادیت کو

اچھی طرح سمجھ کر بچوں کی مناسب دیکھ بھال کی جائے۔ انھیں اپنے انفرادی اوصاف کو اُجاگر کرنے کے مناسب مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ گھر اور مدرسہ کی تعلیم و تربیت میں ان کی علمی، ذہنی، جذباتی اور معاشرتی صلاحیتوں، میلانوں اور تحصیلوں کا احترام کیا جائے اور ان کی مزید نشوونما کے معقول اہتمامات کئے جائیں۔

بچوں کی نشوونما اور تعلیم و تربیت کا معاملہ کوئی آسان امر نہیں ہے۔ اکثر اوقات انفرادیت کے تقاضے اجتماعیت کے تقاضوں سے اُلجھتے نظر آتے ہیں۔ بسا اوقات ایک بچّہ یوں محسوس کرتا ہے کہ اس کی انفرادی طبع اُسے ایک سمت میں کھینچتی ہے اور معاشرہ کے اجتماعی تقاضے اُسے مخالف سمت کی طرف گھسیٹتے ہیں۔ مثلاً ایک خاص صورت حال میں ایک بچّہ کسی چیز کو حاصل کرنے کی خواہش محسوس کر رہا ہو اور وہ یہ دیکھے کہ معاشرہ یا گروہ یہ چاہتا ہے کہ مطلوبہ چیز کسی ایک فرد کی ملکیت ہونے کی بجائے سب کی مشترکہ ملک کے طور پر رہے تو وہ ایک ذہنی کوفت اور کشمکش محسوس کرتا ہے۔ انفرادیت اور اجتماعیت کے ان متضاد تقاضوں کے درمیان تصادم کی مثالیں ہماری روزمرّہ زندگی میں عام مشاہدہ کی جاسکتی ہیں۔

اس قسم کی کشمکشوں کو اگر ایسے رہنے دیا جائے تو اس سے فرد کی ذہنی صحت تباہ ہو جانے کا احتمال ہے۔ اس لئے والدین اور اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ بچوں کو اس قسم کی تعلیم و تربیت دیں کہ وہ اپنے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں کو سمجھنے اور ان میں باہمی ربط اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے فن پر عبور حاصل کرنا سیکھیں۔

والدین اور اساتذہ کے فرائض

انفرادی اختلافات کا علم والدین اور اساتذہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ گھر پر والدین کو سب بچوں سے ہر معاملہ میں بغیر سوچے سمجھے ایک جیسا سلوک روا نہیں رکھنا چاہیے۔ بعض بچے دوسروں کی نسبت زیادہ ذہین، حساس اور چست ہوتے ہیں۔ کوشش یہ کرنی چاہیے کہ ان سے اس طرح کا سلوک روا رکھا جائے جو ان کی انفرادی طبع پر گراں گزرے بغیر ان کی بہتری اور ترقی کا باعث بنے

اسی طرح مدرسہ میں معلم کو بچوں کے انفرادی اختلافات کا پاس رکھنا چاہیے۔ تعلیمی کام بچوں کی ذہانت کے معیار سے بہت اونچا یا نیچا نہیں ہونا چاہیے۔ ہر بچے کو اس بات کا

موقع ملنا چاہیے کہ وہ اپنی علمی، فنّی، جذباتی اور معاشرتی صلاحیتوں اور قابلیتوں کو اُجاگر کرے اور مدرسہ کی تعلیمی اور غیر نصابی سرگرمیوں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرے۔ بچّوں کی انفرادیت کے احترام کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ان میں خود پسندی، خود زعمی اور اپنے میں مست رہنے کی عادت ڈال دی جائے۔ مدرسہ اور گھر کی تعلیم و تربیت میں ایک ایسا خوشگوار توازن موجود ہونا چاہیے جو انفرادیت اور اجتماعیت کے تقاضوں میں ہم آہنگی پیدا کرے اور بچّوں کی انفرادی خصوصیات کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں گروہی اور اجتماعی فکر اور کردار کو اپنانے کی موزوں تربیت بھی دے۔

دسواں باب

شخصیّت

انسان کے تمام محاسن و معائب وغیرہ کی مکمل تصویر کا نام شخصیت ہے۔ شخصیت ان تمام جسمانی، ذہنی، جذباتی، معاشرتی اور تمدنی اوصاف کا نام ہے جو کسی شخص میں ایک اکائی کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ ان تمام اوصاف کے محض اکٹھے ہو جانے سے شخصیت نہیں بنتی۔ بلکہ ان میں یک جہتی، وحدت اور تنظیم کا موجود ہونا بھی ضروری ہے۔

شخصیت کے عناصر

سمجھنے کی خاطر شخصیت کے مختلف عناصر کو علیحدہ علیحدہ کر کے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ شخصیت کے بنیادی عناصر مندرجہ ذیل ہیں:-

۱۔ جسمانی عناصر
۲۔ ذہنی عناصر
۳۔ خصوصی استعداد

۴۔ سیرت

جسمانی عناصر:۔ جسمانی صفات مثلاً ظاہری شکل و صورت، عمومی صحت، قدوقامت، وزن، جلد کا رنگ وغیرہ بھی انسانی شخصیت کا ایک جزو لاینفک ہیں۔

ذہنی عناصر:۔ ذہانت، حافظہ، ادراک، قوتِ فکرو استدلال، علمی استعداد اور قابلیت، ان ذہنی عناصر کی چند مثالیں ہیں جو شخصیت کا ضروری حصہ ہیں۔

خصوصی استعداد:۔ فنّی، جذباتی، معاشرتی اور تمدنی استعداد بھی شخصیت کا ضروری جزو بنتی ہے۔ کسی مخصوص ہنر، پیشے یا علم میں کمال، طبیعت کے چند اوصاف، لوگوں سے نباہنے کی غیر معمولی صلاحیت، گفتار و کردار وغیرہ کا سلیقہ یہ سب کچھ انسانی شخصیت کو چار چاند لگاتے ہیں۔

سیرت: سیرت بھی شخصیت کا ایک اہم عنصر ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ شخصیت ان عناصر کا محض مجموعہ ہی نہیں۔ بلکہ ان میں تنظیم، ربط اور باہمی عمل کا نام ہے۔ ایک صحت مند شخصیت میں یہ تمام عناصر ایک منظم اکائی اور وحدت کی طرح کام کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسا فرد اپنے آپ، اپنے خاندان

اور معاشرہ کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مریضانہ شخصیت میں ان عناصر کا باہمی ربط و نظم یا تو ناقص ہوتا ہے۔ یا تباہ ہوچکا ہوتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر ایسا شخص اپنے آپ اور دوسروں کے لئے باعثِ مصیبت بن جاتا ہے۔

شخصیت اور خاندان

بچّے کی شخصیت پر اس کے خاندان کا بے پناہ اثر پڑتا ہے۔ والدین کی شخصی خوبیاں اور خامیاں بچّے کی زندگی کے ہر پہلو پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ والدین کے معاشرتی، جذباتی، اخلاقی اور مذہبی معیار، بچّے کی سیرت اور اخلاق پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ نیک، خوش مزاج اور متوازن والدین کی اولاد کے لئے بہتر اوصاف کو اپنانا بہت آسان ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس بداخلاق، متلوّن مزاج اور غیر متوازن والدین اپنے بچّوں کو بھی ان شخصی عوارض میں رنگ دیتے ہیں۔

والدین کا معاشرتی اور اقتصادی مقام بھی بچّوں کی شخصیت کافی اثر ڈالتا ہے۔ امیر گھرانوں کے بچّوں کو شروع ہی سے خدمت اور نگہداشت کے

لئے نوکر چاکر مل جاتے ہیں ۔ ان کی روز مرہ ضروریات کی دیکھ بھال کے لئے ہر قسم کے اہتمامات کئے جاتے ہیں۔ کسی قسم کی کوئی تکلیف ان کے قریب پھٹکنے تک نہیں دی جاتی۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس قسم کے بچے عموماً "لاڈ زدہ" اور "بگڑے" ہونہاروں کی صورت پروان چڑھتے ہیں۔

مفلس گھرانوں کے بچوں کو ابتدائی عمر ہی سے گھر کام کاج میں والدین کا ہاتھ بٹانا پڑتا ہے۔ انھیں کمسنی ہی میں بالغ ذمہ داریوں کے شخصیت کُش بوجھ اٹھانے پڑجاتے ہیں۔ افلاس اور روز مرہ مادی الجھنوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے مفلس والدین اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف تسلی بخش توجہ نہیں دے سکتے۔ نتیجہ کے طور پر مفلس گھرانوں کے بچوں کی شخصیت عموماً غفلت اور بے التفاتی کا شکار ہوجاتی ہے۔

درمیانی طبقہ کے والدین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کا بچہ خوب ذہنی اور جسمانی ترقی کرے اور زیورِ تعلیم سے آراستہ ہوکر جلد از جلد برسرِ روزگار ہوجائے۔ اس لئے ایسے والدین اپنے بچوں سے بہت کام اور محنت کی توقع رکھتے ہیں۔ والدین کی اس اُولوالعزمی اور

بلند ہمتی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ متوسط طبقہ کے اکثر بچے ایسے متفکر، مضطرب اور بے چین افراد کی صورت پروان چڑھتے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ وہ کسی نہ کسی طرح جلدی جلدی کچھ نہ کچھ ضرور حاصل کر لیں۔

یہ ضروری نہیں کہ اونچے، نچلے اور متوسط طبقہ کے تمام خاندانوں میں بچوں کی تربیت اسی سانچے میں ہوتی ہو اور ان کے بچوں کی شخصیت پر ان کا اثر ایسے ہی ہو جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ والدین کے رویہ اور بچوں کی شخصی نشوونما میں انفرادی اختلافات کارفرما ہو سکتے ہیں مگر اس امر کے باوجود اکثر خاندانوں میں حالات عموماً ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے کہ اوپر بیان کئے گئے ہیں۔

شخصیت اور تمدن

ابتدائی عمر ہی میں بچہ یہ محسوس کرنا شروع کر دیتا ہے کہ وہ ایک گروہ یا معاشرے کا رکن ہے۔ اور یہ کہ اس معاشرے کی مخصوص روایات، عادات اور فکر و عمل کے چند مخصوص انداز ہیں جنہیں سمجھنا اور جن کا احترام کرنا ضروری ہے۔

ہر تمدّن کی روایات واقدار مختلف ہوتی ہیں۔ والدین شروع ہی سے بچّوں کی شخصیت کو ان تمدنی معیاروں اور قدروں میں رنگنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ بچّوں کی ابتدائی گھریلو تربیت ان کے مخصوص تمدّن کے معیاروں کے مطابق ہوتی ہے۔ ان میں ان باتوں کی عادت ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے جنھیں تمدن سراہتا ہے اور ان باتوں سے حتی الوسع دور رکھا جاتا ہے۔ جنھیں تمدّن معیوب قرار دیتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارا مشرقی تمدن شادی بیاہ سے پہلے لڑکے لڑکیوں کے لیے حجابانہ اختلاط کو معیوب تصور کرتا ہے۔ چنانچہ والدین بچپن ہی سے دونوں جنسوں کو حتیّ الوسع علٰحدہ رہنے کی تربیت دیتے ہیں۔ جُوں جُوں بچّے بڑے ہوتے جاتے ہیں، دونوں جنسوں کے درمیان فاصلہ کی خلیج وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

اسی طرح تمدّن بچّے کی اخلاقی، معاشرتی اور جمالیاتی قدروں پر پیہم اثر اندازی کرتا رہتا ہے۔ مختلف تمدّنی عناصر بچّے کی شخصیت پر بہت گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔ بچّے کی شخصیت کو اچھی یا بُری سمتوں

میں ڈھالنے میں ان تمدنی عناصر کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔

لبا اوقات بچہ مختلف تمدنی اثرات اور اپنے ذاتی یا دیگر متفرق تقاضوں میں تفاوت یا تضاد محسوس کرتا ہے۔ مثلاً وہ یہ دیکھتا ہے کہ گھر پر والدین اُسے جس اسلامی تمدن سے روشناس کرانا چاہتے ہیں معاشرہ اسی تمدن کی تشریح کسی اور رنگ میں کرتا ہے۔ یا وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ تمدن کی تلقین زندگی کے ذاتی تقاضوں سے متصادم معلوم ہوتی ہے۔ ایسی صورتِ حال کو "تمدنی کشمکش" کہتے ہیں۔ اگر بچہ تمدنی کشمکش کا خاطر خواہ حل ڈھونڈنے میں ناکام رہے تو اس کی شخصیت کے غیر مناسب سمتوں میں پھیل جانے یا ذہنی صحت تباہ ہو جانے کا خدشہ لاحق ہو جاتا ہے۔ والدین اور اساتذہ کو ایسی صورتوں میں بچوں کی مشکلوں کو سمجھ کر ان کی مناسب رہنمائی کرنی چاہیے

شخصیت پر تحصیل کا اثر

ہر انسان میں تحصیل کا شوق طبعی طور پر موجود

ہوتا ہے۔ ہر شخص قدرتی طور پر اس بات کا خواہشمند ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں اُجاگر کرے، تعلیم حاصل کرے، کوئی ہنر، فن وغیرہ سیکھے۔ چند مفید مادی اشیا پر قبضہ جمانے۔ کمال کامیابی، شہرت، مرتبہ، وقار، عزت اور امتیاز وغیرہ حاصل کرے۔ تحصیل کے یہ تمام جذبے شروع بچپن ہی سے کسی نہ کسی رنگ میں ہر بچے میں موجود ہوتے ہیں۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی نوعیت اور شدت میں فرق پڑنا شروع ہوجاتا ہے۔

بچے کی شخصیت پر تحصیل کا بہت اثر پڑتا ہے۔ معقول اشیاء اور اوصاف کی تحصیل سے اس میں مسرت اور خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ اُسے مزید تحصیل کا شوق ہوتا ہے۔ اس کی شخصیت بہتر سمتوں کی طرف ڈھلنے لگتی ہے۔ غرضکہ تحصیل کا مجموعی اثر بہت خوشگوار اور مفید ثابت ہوتا ہے

لیکن اوقات تحصیل کا جذبہ محبت اور رفاقت کے جذبوں سے ٹکراتا نظر آتا ہے۔ مثلاً کوئی بچہ کسی خاص مقصد یا شے کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اُسے پتہ چلتا ہے کہ ایک اور بچہ بھی عین وہی چیز حاصل کرنے کے

دَر پے ہے ۔ وہ یُوں محسوس کرتا ہے کہ تحصیل کا شوق گویا دوسرے بچّے سے محبت اور رفاقت بڑھانے میں سدِّراہ ہے ۔ اس قسم کی صورتِ حال میں بچّے کو سمجھایا جاسکتا ہے کہ اس کشمکش کا مناسب علاج ممکن ہے ۔ مثلاً دوسروں سے محبت اور رفاقت برقرار رکھتے ہوئے اور اُن سے تعاون کرتے ہوئے ایک ہی مقصد کو اکٹھے مِل کر بھی حاصل کیا جاسکتا ہے ۔

شخصیّت اور محبّت

شفقت اور محبت کے جذبے بچّوں کی شخصیت پر بے پناہ اثر ڈالتے ہیں ۔ وہ بچّہ جسے گھر پر والدین کی معقول شفقت اور محبت مُیسر آجائے ، ان جذبوں کو سمجھنے اور انھیں اپنانے میں عموماً کامیاب ہوجاتا ہے اس کے برعکس ایسا بدنصیب بچّہ جو والدین کی مناسب شفقت سے محروم ہو ، محبت کے لطیف جذبوں کی غرض وغایت سمجھنے اور زندگی میں ان سے استفادہ کرنے سے قاصر رہتا ہے ۔

بچّوں کی اکثر ذہنی تکالیف کی اصل وجہ یہ بھی ہوتی

ہے کہ ان کی زندگی یا تو والدین کی محبت سے بالکل محروم ہوتی ہے ۔ یا انھیں غلط قسم کی محبت میسر آتی ہے ۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ محبت و شفقت اور زندگی کے لطیف احساسات اور جذبات سے قطعی نابلد رہتے ہیں اس جذباتی محرومی سے ان کی شخصیت پر بہت ناگوار اثر پڑتا ہے ۔ ایسے بچّے خلافِ معاشرت حرکات اور مجرمانہ کردار بھی اختیار کر لیتے ہیں ۔ ان میں اکثر حد درجہ عزلت پسندی، خود مرکزیت ، نرگسیت اور طرح طرح کی دوسری ذہنی بیماریوں کا شکار بھی ہو جاتے ہیں ۔

والدین اور اساتذہ کو اس امر کا احساس ہونا چاہیے کہ بچوں کی نشوونما میں شفقت اور محبت کو غذا اور لباس سے بھی زیادہ اہمیت حاصل ہے اس سلسلہ میں اکثر اوقات ذرا سی غفلت بہت خطرناک نتائج پیدا کر دیتی ہے ۔ اس لئے گھر اور مدرسہ میں بچّوں کے لئے معقول محبت کا ماحول پیدا کرنا چاہیے ، تا کہ وہ مناسب پیار اور شفقت کی فضا میں پروان چڑھ کر دوسروں سے شفقت اور محبت کرنے کے قابل ہو سکیں ۔

شخصیت اور رفاقت

شخصیت کی نشوونما میں رفاقت کو بہت دخل ہے۔ دوستانہ تعلقات کی بنا پر نوعیت اور مدت بچّے کی شخصیت پر بہت گہرا اثر چھوڑتی ہے

ابتدا میں بچّوں کو رفاقت کا کوئی شعور نہیں ہوتا۔ بالک پن کے درمیانی دَور میں رفاقت کا جذبہ نمودار ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ ابتدائی بچپن کی دوستی عموماً بہت مختصر ہوتی ہے۔ ایسی دوستی اکثر و بیشتر محلّہ کے اِردگِرد کے گھرانوں کے بچّوں سے ہوتی ہے۔ مدرسہ میں داخل ہونے پر بچّوں کے رفاقت کے تصور میں توسیع واقع ہوتی شروع ہوجاتی ہے۔ بچّے ہم جماعت ساتھیوں کے رفیق بننے لگتے ہیں۔ وہ اکٹھے مل کر سیرو تفریح میں خوب جی بہلاتے ہیں۔ بلوغت میں ان رفیقانہ تعلقات میں مزید پختگی واقع ہوجاتی ہے۔ بچّوں کے گروہ اور کلبیں وغیرہ بنی شروع ہوجاتی ہیں۔ بلوغت کے رفیقانہ تعلقات لبااوقات اس قدر شدید اور پُختہ ثابت ہوتے ہیں کہ بچّے ایک دوسرے کے لئے مرنے

مارنے پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں۔
بلوغت کی گروہی رفاقتوں کا خطرناک سمتوں میں بڑھ جانے کا احتمال بھی ہے۔ اس لئے اس دور سے گزرتے ہوئے بچوں کی گروہ بندیوں کا گاہے گاہے جائزہ لیتے رہنا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں بہترین لائحۂ عمل یہ ہے کہ بچوں کو گائیڈنگ اور سکاؤٹنگ کی طرف راغب کیا جائے۔ اس سے ان کی گروہی جبلت اور احساسِ رفاقت کو ایک نہایت متمدن اور مفید معاشرت طریقے سے پورا ہونے کا موقع ملتا ہے۔

بچپن کے رفیقانہ تعلقات اگر اچھے مقاصد کے لئے اور بہتر طریق سے استوار کئے گئے ہوں تو اس سے بچوں کی شخصیت پر بے حد خوشگوار اثر پڑتا ہے۔ رفاقت سے بچوں میں ایک دوسرے کا کردار سمجھنے اور باہمی اصلاح و ترمیم کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہو سکے تو بچوں کو خط و کتابت کے ذریعہ دوسرے ممالک کے بچوں سے قلمی دوستی پیدا کرنے کی رغبت بھی دلانی چاہیئے۔ قلمی دوستی سے بچے مختلف قسم کے دوسرے بچوں اور ان کے ملکی حالات سے رُوشناس ہوتے ہیں۔ اس سے ان کے فکر و عمل میں وسعت اور جامعیت اُجاگر ہوتی ہے۔

والدین کے شخصیت کُش رویّے

بعض والدین بچّوں کے بارے میں ایسے ایسے غیر مناسب اور مریضانہ رویّے اختیار کرتے ہیں جو ان کی شخصیت کی نشوونما کے لئے مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ والدین کے ان شخصیت کُش رویّوں کی دو انتہا پسندانہ اقسام مندرجہ ذیل ہیں :-

(ا) تغافل شعاری

(ب) بے جا لاڈ پیار

بعض والدین اپنے بچّوں کی تعلیم و تربیت اور دیکھ بھال کے سلسلہ میں حد درجہ تغافل شعاری سے کام لیتے ہیں ۔ ایسے سنگ دل والدین بچّوں کے بارے میں جذباتی سرد مہری کے مرتکب ہو کر ان کی شخصیت تباہ کرنے کے ذمّہ دار بنتے ہیں ۔

والدین کی تغافل شعاری کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں ۔ مثلاً بچّوں کی تعلیم و تربیت سے ناواقفیت ، خود اپنے بچپن میں اپنے والدین کی تغافل شعاری کا ستم رسیدہ ہونا ، افلاس یا معاشرتی سرگرمیوں کی وجہ سے بچّوں

کی طرف مناسب توجہ دینے کی فرصت میسّر نہ آنا، غیر تسلی بخش یا غیر موزوں شادی، ازدواجی زندگی میں کشیدگی، بن مانگے بچّوں کا ہونا، والدین کا آپس میں یا اُن کا بچّوں سے حسد محسوس کرنا وغیرہ

والدین کی تغافل شعاری بچّوں کی شخصیت پر طرح طرح سے اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کے چند غیر مناسب نتائج درج ذیل ہیں:۔

۱۔ بچّوں میں اپنے آپ میں بے یقینی، اضطراب، محرومیت یا یاس کا محسوس کرنا۔

۲۔ والدین کی شفقت و التفات حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کی مریضانہ ترکیبوں اور حیلوں کا جنون۔

۳۔ لوگوں اور حتّٰی کہ خود اپنے والدین سے انتقام لینے کا جذبہ۔

اسی طرح والدین کا بے جا لاڈ پیار بھی بچّوں کی شخصیت پر بہت ناگوار اثر ڈالتا ہے۔ والدین کے حد سے زیادہ لاڈ پیار کی چند وجوہ یہ ہیں:۔

ادھیڑ عمر میں اولاد کا ہونا، اولاد میں موت کی شرح کا زیادہ ہونا، ان میں جسمانی یا ذہنی نقائص کا موجود

ہونا، والدین کی باہمی چپقلش اور ناچاکی وغیرہ۔

لاڈلے اور پیارے بچے عموماً بگڑے بچوں کی صورت میں پروان چڑھتے ہیں۔ ایسے بچے آئندہ زندگی میں کبھی ساری دنیا اور اس میں بسنے والے تمام لوگوں کو اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کے لئے محض ایک ذریعہ سمجھنے کے عادی بن جاتے ہیں۔

تغافل شعاری اور بے جا لاڈ پیار دونوں قسم کے رویّے بچّوں کی شخصیت کی نشوونما کے لئے سمِ قاتل ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے والدین اور ان کے ستم رسیدہ بچّوں کے لئے نفسیاتی علاج اور رہنمائی کی ضرورت ہے۔ بچّوں کی طرف مناسب پیار اور شفقت کا متوازن رویّہ ان کی شخصیت کی بہتر نشوونما کے لئے لازمی ہے۔ غفلت زدہ اور لاڈلے بچوں کو دوسرے بچّوں سے ملنے جُلنے، ان کے ساتھ کھیلنے کودنے اور رفاقت کی جمہوری قدروں کو اپنانے کی ترغیب دلانا ان کے علاج کے بہترین طریقے ہیں۔

شخصیت کی صحیح نشوونما

شخصیت کی صحیح نشوونما متعدد عناصر پر مبنی ہے

گھر، مدرسہ اور معاشرہ کے ناسازگار حالات شخصیت تباہ کرنے کے ذمہ دار بنتے ہیں۔ بہتر تعلیم و تربیت اور بہتر ماحول شخصیت کے اوصاف اُجاگر کرتے ہیں۔

والدین اور اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ بچوں کو مخربِ شخصیت افراد اور حالات سے حتی الوسع دُور رکھیں۔ بچوں سے تغافل شعاری یا بیجا لاڈ پیار کی بجائے ان کے ساتھ ایسا متوازن رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ جس میں مناسب شفقت اور مناسب نظم و نسق کا نہایت خوشگوار امتزاج موجود ہو۔ والدین اور اساتذہ کے ایسے متوازن رویوں کی بدولت بچوں کی شخصیت مفید معاشرتی سمتوں میں پروان چڑھتی ہے اور طرح طرح کی الجھنوں اور بیماریوں سے محفوظ رہتی ہے۔

گیارھواں باب

نظم و نسق اور سزا

نظم و نسق اور سزا کے بارے میں والدین اور اساتذہ کا رویہ بچے کی نشو و نما پر بہت گہرا اثر ڈالتا ہے۔ معقول نظم و نسق بچّے کی شخصیت میں باقاعدگی اور توازن کے عنصر کا اضافہ کرتا ہے۔ گھر یا مدرسہ میں کسی قسم کے ضبط و نظم کے نہ ہونے یا ناقص تادیبی کارروائیوں کے عام ہونے کی وجہ سے بچّے کی شخصیت پر بہت ناگوار اثر پڑتا ہے۔ متوازن، معقول اور سائنسی نظم و نسق کا مقصد بچوں میں ضبط، خود اختیاری اور خود انضباطی کو ترویج دینا ہے۔

نظم و نسق کا فرسودہ تصوّر

انگریزی لفظ "ڈسپلن" کے لاطینی ماخذ کے دو معنے ہیں، جو درج ذیل ہیں:۔

(۱) کچھ سیکھنا

(ب) مارنا پیٹنا وغیرہ۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے وقتوں سے نظم و نسق کے تصور میں ان ہر دو معانی کو جمع کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ نظم و نسق کا عام مفہوم اب تک یہی سمجھا جاتا رہا ہے کہ بچوں کو "مار پیٹ کر کچھ سکھانا پڑھانا" وغیرہ۔

جدید فن تعلیم نے نظم و نسق کے اس فرسودہ تصور کو ناقص قرار دے دیا ہے۔ مار پیٹ اور جبر و تشدد سے لکھانے پڑھانے کی بجائے نظم و نسق کا جدید تصور اس بات کو اہمیت دیتا ہے کہ بچوں کے اندر شفقت اور تحمل سے خود مختاری اور خود انتظامی کا سلیقہ پیدا کیا جائے۔ جدید نظم و نسق، سزاؤں اور مسلسل نگرانی کا سہارا لینے کی بجائے بچے میں احساسِ فرض کو اُبھارتا ہے اور اسے اپنی زندگی میں خود نظم و نسق پیدا کرنے اور حصولِ علم میں سے بروئے کار لانے کی رغبت دلاتا ہے۔

مدارس میں ناقص نظم و نسق کے اسباب

ہمارے اکثر مدارس میں نظم و نسق کا معیار کچھ

تسلّی بخش دکھائی نہیں دیتا۔ اس نظم ونسق کے لئے متعدد اسباب ذمّہ دار ہیں۔ چند ایک اسباب مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ بوسیدہ نصاب
۲۔ ناقص تدریس
۳۔ دلچسپ مشاغل کا عدمِ وجود
۴۔ سخت بدنی سزائیں
۵۔ متفرق اسباب

بوسیدہ نصاب:۔ ہمارے نصاب تعلیم پر صدیوں سے گرد پڑی ہوئی ہے۔ نصاب کی بوسیدگی کی وجہ سے طلبہ کتابوں اور درسی مشاغل میں بہت کم دلچسپی لیتے ہیں۔ دقیانوسی نصاب بچّوں کی قوتِ توجّہ اور انہماک بھی کم کر دیتے ہیں۔ ان سب باتوں کا، ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جماعت میں شور، غوغا، کھلبلی علم کی روح کا فقدان، پھسڈی پن وغیرہ کے علاوہ بھگوڑا پن اور خلاف معاشرت حرکات کے عام مظاہرے ہوتے رہتے ہیں۔ جس سے نظم ونسق کا معیار بہت گر جاتا ہے۔ ہمارے پرانے نصابوں کی بوسیدگی پر تعلیمی کمیشن اور نصابی کمیٹی نے جو ضربِ کاری لگائی

ہے اس سے اب صورت حال میں کافی اصلاح ہونے لگی ہے۔

ناقص تدریس:۔ ہمارے تدریس کے مروجہ طریقے بہت ناقص ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے نے درس وتدریس کا لطیف کام ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دے رکھا ہے جن کی اکثریت غیر مستند، مفلوج الفکر اور دقیانوسی فکر وعمل کی حامل ہے۔ ہمارے اکثر معلمین درس وتدریس کے جدید طریقوں اور طلبہ کی شخصیت کو سمجھنے کے سائنسی اصولوں سے قطعی ناواقف ہیں۔ ناقص تدریس ہمارے مدارس کے ناقص نظم ونسق کا ایک اہم سبب ہے۔

دلچسپ مشاغل کا عدم وجود:۔ مدرسوں میں دلچسپ علمی، تمدنی، معاشرتی اور جسمانی مشاغل کے میسّر نہ آنے سے بھی طلبہ عدم توجہ، سرکشی اور بغاوت پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ بھدی بن اور بھگوڑا پن کی ایک وجہ مدرسہ میں دلچسپ مشاغل کا عدمِ اہتمام ہے۔

سخت بدنی سزائیں:۔ بعض اساتذۂ کرام طلبہ سے یوں پیش آنے کے عادی ہوتے ہیں جیسے کوئی پولیس آفیسر کسی مشتبہ ملزم سے اقبالِ جرم کرا رہا ہو۔ سخت

بدنی سزائیں اور "مولا بخش" کا عام استعمال ناقص نظم و نسق موجب بنتے ہیں۔

متفرق اسباب:۔ چند متفرق اسباب مثلاً مدرسہ کی ناقص عمارت، غیر موزوں محلِّ وقوع، طلبہ کے بیٹھنے کے ناقص اہتمامات، صفائی اور روشنی کے غیر معقول انتظامات وغیرہ بھی ناقص نظم و نسق کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔

بہتر نظم و نسق کی خصوصیات

بہتر اور معقول نظم و نسق کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ اجتماعیّت کی رُوح
۲۔ انفرادیت کا احترام
۳۔ مثبت طریقوں کا استعمال
۴۔ منفی طریقوں اور سزاؤں سے اجتناب

اجتماعیّت کی رُوح:۔ معقول نظم و نسق کے لئے طلبہ میں روحِ اجتماعیت کا کارفرما ہونا ضروری ہے۔ ایک کمرۂ جماعت جس میں بچے آپس میں بہتر طریق

سے پیش آتے ہوں اور باہمی دوستی کے علاوہ اپنے معلم کو بھی اپنا رفیق اور رہنما تصور کرتے ہوں، بہتر نظم ونسق کے لئے راستہ تراشتا ہے۔ ایسی اجتماعیت پسند جماعت میں نظم ونسق کو قائم رکھنا معلم ہی کا خصوصی فریضہ متصور نہیں ہوتا بلکہ ہر بچہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک گروہ کا ذمہ دار رکن ہے اور اس گروہ کے نظم ونسق کو برقرار رکھنا اس کا خوشگوار اور مقدم فریضہ ہے۔

انفرادیت کا احترام :۔ اگر معلم بچہ کی انفرادی خواہشوں، صلاحیتوں اور تحصیلوں کا احترام کرے تو جماعت میں بہتر نظم ونسق کی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ فطین اور کند ذہن، وظیفہ خوار اور پھسڈی، پھرتیلے اور سست بچے کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے کی بجائے ہر ایک سے ان کی انفرادی خوبیوں اور خامیوں کے عین مطابق سلوک روا رکھا جائے تو درس و تدریس سے ہر بچے کی دلچسپی وابستہ رہتی ہے اور جماعت کا معیار نظم و نسق بلند رہتا ہے۔

مثبت طریقوں کا استعمال :۔ طلبہ کی تحقیر و تضحیک کرنے، انھیں جرمانے کرنے اور سزائیں دینے کی بجائے اُن کی حوصلہ افزائی کرنے سے بہتر نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

اگر طلبہ کو یہ امید دلائی جائے کہ وہ اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود تحصیل علم و ادب کر سکتے ہیں تو مدرسہ میں نظم و نسق کے متعدد مسائل کا خود بخود حل ہو جاتا ہے۔

منفی طریقوں اور سزاؤں سے اجتناب: منفی طریقوں، سزاؤں کا عام استعمال، سزا کے طور پر "فالتو کام" دینا اور صدر معلم کے ہاں بچوں کی بار بار پیشی کرواتے رہنا، ناقص نظم و نسق کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ بچوں کی روزمرہ نصابی اور غیر نصابی اُلجھنوں کے بارے میں معلم کو تحمل، فراست اور ہمدردی سے کام لینا چاہیئے۔

والدین اور اساتذہ کی مشترکہ ذمہ داری

اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو مدرسہ کے بہتر نظم و نسق کی ساری ذمہ داری بیچارے معلم پر ہی عائد نہیں ہو سکتی۔ اس میں والدین کا بھی بہت دخل ہے۔ بہتر نظم و نسق اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے۔ جب والدین اور اساتذہ مشترکہ کوششوں سے بچوں کی درسی اور غیر درسی ضروریات میں حقیقی دلچسپی لیں

والدین کو گاہے گاہے مدرسہ جاکر بچوں کے مشاغل کا مشاہدہ کرنا چاہیے۔ معلم سے تبادلۂ افکار کرنا چاہیے اور اس بات کا کھوج لگانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ بچوں کے شرارتیں کرنے، دیر سے مدرسہ آنے، کھسک جانے، فیل ہو جانے یا پھسڈی بن جانے میں گھریلو عناصر کا کہاں تک دخل ہے۔ انھیں اس بات کی تحقیق کرنی چاہیے کہ وہ معلم سے کس طرح تعاون کریں تاکہ دونوں کی متحدہ کوششوں سے بچہ نظم ونسق کے اصولوں کو برضا ورغبت اپنا لے۔

سزا اور بچے

سزا کے مسئلہ کا نظم ونسق کے ساتھ گہرا تعلق چلا آرہا ہے سزا کا عمومی مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچے کو جسمانی اذیت دے کر کچھ علم و ہنر حاصل کرنے پر مجبور کیا جائے۔ سزا کی بے شمار قسمیں ہیں۔ اس کی سب سے زیادہ بدنام اور اکثر مدارس میں مقبول ترین قسم بدنی سزا ہے۔ ہمارے مدرسوں میں بچوں کو جو بدنی سزائیں دی جاتی ہیں۔ ان کی چند قسمیں یہ ہیں:-

۱۔ بید زنی کرنا
۲۔ منہ پر تھپڑ مارنا
۳۔ کان پکڑوانا
۴۔ زمین پر ناک سے لکیریں کھچوانا
۵۔ بنچ پر کھڑا کر دینا
۶۔ گھٹنوں کے بل کھڑا کر دینا
۷۔ معمول سے زیادہ درسی کام دے دینا۔

تعلیمی سزا کی خصوصیات

بعض ماہرین تعلیم کا خیال ہے کہ بچوں کو گاہے گاہے بدنی سزائیں دینا ان کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر سزا میں مندرجہ ذیل خصوصیات موجود ہوں تو یہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں بہت کام آسکتی ہے۔

(۱) واضح مقصد :۔ معلم کو سزا کے مقصد سے متعلق بالکل واضح ہونا چاہیئے۔
(۲) معقول سبب :۔ سزا دینے کا سبب معقول ہونا چاہیے۔
(۳) بدنی تکلیف :۔ سزا سے بچے کو تھوڑی بہت

بدنی تکلیف ضرور پہنچنی چاہیئے ورنہ اس سے کوئی مقصد حل نہیں ہوتا۔

(۴) غرض وغایت کا احساس: بچے کو اس بات کا پورا پورا احساس ہونا چاہیے کہ اسے کیوں اور کس لئے سزا دی جا رہی ہے۔

ان ماہرین تعلیم کا خیال ہے کہ وہ سزائیں جو مذکورہ بالا معیاروں پر پوری نہیں اترتیں۔ طلبہ کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتیں۔

سزا کا نفسیاتی تجزیہ

سزا سے متعلق بے شمار نفسیاتی مطالعے پیش کئے گئے ہیں۔ جدید ترین نفسیاتی نظریہ ہے کہ بدنی سزائیں بچوں کی نشوونما پر ناگوار اثر ڈالتی ہیں۔ مگر چھوٹی موٹی بدنی سزاؤں کا گاہے گاہے استعمال بسا اوقات بچوں کے حق میں مفید بھی ثابت ہوتا ہے۔

یہ درست ہے کہ سزا کا سلسلہ بچے کے حق میں مجموعی طور پر نقصان دہ ثابت ہوتا ہے اور اصول کے طور پر اس سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔ لیکن اگر کسی خاص صورت حال میں کسی خفیف سی سزا سے بچے کی بہتری کی کوئی صورت

نظر آتی ہو اور اصلاح کا کوئی اور طریق کامیاب ہوتا نظر نہ آتا ہو، تو "حضرتِ مولا بخش" سے تھوڑا بہت کام لے لینے میں چنداں مضائقہ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں سزا سے پہلے اور بعد میں بھی بچّے کو اچھی طرح سمجھا دینا چاہیے کہ اسے کیوں اور کس لئے سزا دی جا رہی ہے۔

بڑی عمر کے بچّوں کو سزائیں دینا یا سزاؤں کے بل بوتے پر ہی انھیں علم و ادب کی طرف مائل رکھنا کچھ قرینِ مصلحت دکھائی نہیں دیتا۔ بچپن میں گاہے گاہے اور خصوصی موقعوں پر سزائیں دینا تو فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ مگر بڑی عمر تک بھی بچّوں کو سزاؤں کے ڈر کی وجہ ہی سے تحصیل و اصلاح کی طرف مائل کرنا غیر مناسب لائحۂ عمل ہے۔ مدرسہ کی تمام زندگی میں مسلسل سزائیں سہہ کر تربیت پانے والے بچّے ایسے بالغ شہریوں کی صورت پروان چڑھتے ہیں جو سزا، جرمانہ، پولیس اور قانون وغیرہ کے ڈر کے بغیر کوئی بھی اچھا کام اپنی رضا و رغبت سے کرنے کے نااہل ہوتے ہیں۔

متوازن لائحۂ عمل کی ضرورت

والدین اور اساتذہ کو نظم و نسق اور سزا سے متعلق ایک

معقول اور متوازن لائحۂ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ نظم ونسق سے متعلق متوازن رویہ یہ ہے کہ بچوں کی تعلیم وتربیت ایک ایسے سازگار ماحول میں ہو جس میں آزادی اور نگرانی کا خوشگوار امتزاج موجود ہو۔ اسی طرح سزا سے متعلق متوازن رویہ یہ ہے کہ اول تو بچوں کی تعلیم وتربیت ہی ایسے معقول انداز میں ہو کہ سزا دینے کا موقع ہی پیدا نہ ہو اور اگر کبھی کبھار کوئی غیر معمولی موقع اس بات کا متقاضی ہو کہ بچے کو سزا دی جائے تو اس صورت میں سزا سوچ سمجھ کر دینی چاہیے۔

نظم ونسق اور سزا سے متعلق متوازن لائحۂ عمل کا بنیادی مطمحِ نظر یہ ہونا چاہیے کہ بچوں میں اپنے آپ کو سمجھنے اپنے روزمرہ امور کو خود چلانے اور زندگی کے مختلف شعبوں میں دوسروں کی محتاجی کے بغیر ترقی کرنے کی صلاحیتیں اجاگر ہوں۔

حِصّۂ سوم

تعلُّم کی نفسیات

★ تعلُّم

★★ تعلیم بذریعہ کھیل

بارھواں باب

تعلُّم

تجربہ اور تربیت کے ذریعہ انسانی فکر اور کردار میں مختلف اور متنوّع تغیّرات رونما ہوتے ہیں۔ یہ تغیّرات انسان میں عادات و اطوار، رجحانات، مہارت و کمال، علم و ہُنر، سمجھ بوجھ اور بصیرت وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان تمام تغیّرات کے پیدا ہونے کے عمل کو تعلّم، آموزش یا سیکھنا کہتے ہیں۔

تعلُّم محض درسی تعلیم تک ہی محدود نہیں ہے۔ زندگی کے کسی شعبے میں تجربہ اور تربیت کی وجہ سے کسی قسم کے تغیُّر رُونما ہونے کو تعلُّم کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ تعلُّم محض تغیر کا رونما ہونا یا کچھ سیکھنا ہی نہیں ہے بلکہ اس جامع تصوّر میں سیکھے ہوئے مواد کا روز مرّہ زندگی میں بروئے کار لانا بھی شامل نہیں ہے۔ ایک شخص نے متعدد کتابیں پڑھی ہوں یا چند ایک ہُنر سیکھ رکھے ہوں مگر وہ اس وقت تک تعلیم یافتہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جب تک وہ اپنے

علم و ہنر کو زندگی میں بروئے کار نہ لائے۔

تعلّم کی بنیادی خصوصیات

تعلّم کے بنیادی اجزا مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ شعور

۲۔ قوتیّت

تعلّم ایک شعوری فعل ہے۔ تجربہ اور تربیت کی بنا پر جو تغیرات متعلّم میں رونما ہو رہے ہوں، متعلّم کے لئے ان کا شعور رکھنا (یعنی ان سے آگاہ ہونا) ضروری ہے۔ مثلاً جماعت میں پڑھتے ہُوئے طالب علم کا عمل شعوری ہے۔ اگر طالب علم جماعت کے درس و تدریس کی طرف شعوری طور پر متوجہ نہ ہو تو اس کا عمل تعلّم نہیں کہلا سکتا۔

تعلّم ایک قوتیاتی یا حرکیاتی تصور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سیکھا ہوا مواد متعلّم کی شخصیت کا ایک متحرک حصّہ اور زندگی کا جُزو لا ینفک بن جاتا ہے۔ کوئی بھی سیکھی ہوئی بات سیکھنے والے فرد کی شخصیت میں بے جان مردہ اور غیر متحرک صُورت میں نہیں رہ سکتی۔ ہر تعلّم شدہ

بات زندگی کے کسی نہ کسی شعبے میں کسی نہ کسی صورت میں ضرور نمودار ہوتی ہے۔ تعلّم سے متعلّم کی زندگی میں طرح طرح کے تغیّر، ترمیم و اصلاح وغیرہ رونما ہوتے ہیں۔ بلکہ اس سے ان لوگوں کی شخصیت پر بھی کچھ نہ کچھ اثر ضرور پڑتا ہے جن کا کسی نہ کسی حیثیت سے متعلّم کے ساتھ رابطہ ہوتا ہے۔

یہ جانچنے کے لئے کہ کسی فرد کی زندگی میں تعلّم واقعی طور پر اثر انداز ہوا ہے یا نہیں۔ ماہرین تعلّم نے پیمائش کے مختلف طریقے وضع کئے ہیں جنھیں عام اصطلاح میں امتحان کہا جاتا ہے۔ مختلف قسم کے امتحان اس امر کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں کہ متعلّم نے تعلّم سے کس حد تک استفادہ کیا ہے۔ مدرسوں میں مختلف مضامین کے امتحانات منعقد کرنے کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ اس بات کا پتہ لگایا جائے کہ بچّوں نے ان مضامین میں کیا کچھ سیکھا ہے۔

تعلّم کے نظریات

ماہرین تعلیمی نفسیات نے تعلّم کے متعدد نظریے

پیش کئے ہیں ۔ ان نظریوں کا مطالعہ بذات خود ایک وسیع موضوع ہے۔ بہرحال یہاں مندرجہ ذیل نظریوں کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:-

۱۔ نظریۂ تلازم
۲۔ گیشٹالٹ نظریۂ تعلّم
۳۔ حیاتیاتی نظریے۔

نظریۂ تلازم :- اس نظریے کے مطابق ایک خیال کے دوسرے خیال سے متلازم یا مربوط ہونے سے تعلّم واقع ہوتا ہے ۔ مختلف خیالات کے مابین تلازم اور ربط جس قدر واضح اور قوی ہو تعلّم کا عمل اسی قدر آسان ، دلچسپ اور مستقل ہوگا ۔ تلازم کا یہ فلسفیانہ نظریہ ماضی میں کافی مقبول رہا ہے ۔

گیشٹالٹ نظریۂ تعلّم :- گیشٹالٹ نظریہ کے مطابق تعلّم کا عمل سیکھنے والے تمام مواد میں بصیرت پر مبنی ہے ۔ یہ نظریہ سارے مواد کو بحیثیت مجموعی ترتیب دے کر سمجھنے پر اہمیت دیتا ہے ۔ نظریۂ تلازم تعلّم کو تجزیاتی زاویۂ نگاہ سے دیکھتا ہے ۔ یعنی مختلف خیالات کے باہمی تلازم کو عمل تعلّم قرار دیتا ہے ۔ اس کے برعکس گیشٹالٹ کا نظریہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ تعلّم مختلف اجزا کے تلازم سے نہیں

بلکہ کل مواد میں بصیرت سے پیدا ہوتا ہے۔ جدید تعلیمی نفسیات میں اس نظریہ کو بہت فروغ حاصل ہوا ہے۔

حیاتیاتی نظریے :۔ تعلم کے متعدد حیاتی نظریے بھی پیش کئے گئے ہیں۔ ان سب نظریوں کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ تعلم ایک حیاتیاتی عمل ہے۔ تعلم کے دوران میں مرکزی عصبی نظام میں متعدد تغیرات رونما ہوتے ہیں۔ تعلم کا عمل انہی جسمانی تغیرات پر منحصر ہے۔ ان نظریوں کو پیش کرنے والے ماہرین اپنے موقف کی وضاحت کے لئے تعلم کے عمل اور مرکزی عصبی نظام کے تغیرات کے مابین تعلق کے موضوع پر تحقیق اور تجربے کر رہے ہیں۔ مگر ابھی تک کوئی بات مصدقہ طور پر ثابت نہیں ہو سکی۔

تعلم کے اصول

تعلم کا عمل چند اصولوں کے ماتحت واضح ہوتا ہے مختلف ماہرینِ نفسیات نے ان اصولوں کو مختلف ناموں سے تعبیر کیا ہے۔ تھارن ڈائیک نے اس سلسلہ میں کافی ٹھوس تحقیق کی ہے۔ اس کے نزدیک تعلم کے بنیادی اصول مندرجہ ذیل ہیں :۔

۱۔ اُصولِ تاثر
۲۔ اُصولِ مشق
۳۔ اُصولِ آمادگی

اصولِ تاثر: یہ اُصول اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ کسی کام میں کامیابی سے اس کام کو دُہرانے کو جی چاہتا ہے۔ اس کے برعکس ناکامی سے انسان کام کو ترک کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ تعلّم کا عمل اگر کامیاب ہو تو متعلم کو اس میں فرحت اور دلچسپی محسوس ہوتی ہے۔ اس مثبت تاثر کی وجہ سے تعلم کا عمل دیرپا اور کامیاب رہتا ہے۔ اس کے برعکس تعلم میں ناکامی سے بوریت اور بے اعتنائی پیدا ہوتی ہے اس منفی تاثر کی وجہ سے تعلم کا عمل ناکام اور غیر مستقل رہتا ہے۔

اُصولِ مشق :۔ یہ اصول اس حقیقت پر اہمیت دیتا ہے کہ مشق اور تکرار سیکھنے کے عمل کے لئے سازگار ثابت ہوتے ہیں۔ سیکھنے والے مواد کی مشق نہ کی جائے تو تعلّم کے عمل پر ناسازگار اثر پڑے گا۔ تعلّم کا یہ اصول مشق اور دہرانے کی افادیت کو واضح کرتا ہے۔

اصولِ آمادگی :۔ اس اصول کے مطابق جب متعلم سیکھنے کے لئے ذہنی اور جسمانی طور پر آمادہ ہو تو سیکھنے کا عمل

خوشگوار اور موثر ثابت ہوتا ہے ۔ اس کے برعکس اگر متعلّم میں سیکھنے کے لئے رغبت اور آمادگی موجود نہ ہو تو سیکھنا بدکن اور بے اثر رہتا ہے ۔

تعلُّم کے عناصر

تعلّم کے عمل پر متعدّد عناصر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اساتذہ اور والدین اور خود طلبہ کے لئے اِن عناصر کا علم بہت ممد ثابت ہو سکتا ہے ۔ چند اہم عناصر جو تعلّم پر اثر اندازی کرتے ہیں مندرجہ ذیل ہیں ۔

۱۔ آمادگی
۲۔ تحریک
۳۔ دلچسپی
۴۔ توجّہ
۵۔ مشق
۶۔ تکان اور بوریت
۷۔ ذہانت
۸۔ طبعی رُجحان
۹۔ جذبات

۱۰- رویہ
۱۱- خاندان اور تمدن
۱۲- عمل اور کھیل

تعلّم اور آمادگی

جب تک بچّہ تعلّم کے لیے آمادہ یعنی تیار نہ ہو کوئی تعلیم اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ مختلف طلبہ میں آمادگی کی صلاحیت اور نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ آمادگی میں ان انفرادی اختلافات کے لئے متعدّد اسباب ذمہ دار ہیں جسمانی، معاشرتی اور جذباتی نشوونما، تجربہ وغیرہ کو اس میں کافی دخل ہے۔

آمادگی کے عمل کی سمجھ بوجھ سے معلم کو درس و تدریس میں بہت مدد ملتی ہے۔ بچّوں میں آمادگی کے علم سے معلم مندرجہ ذیل فوائد حاصل کر سکتا ہے۔

ا- مختلف طلبہ میں آمادگی کے معیار کے علم کی وجہ سے معلم اپنے طریق تدریس میں ہر قسم کے طلبہ کی تعلیمی ضروریات پوری کر سکتا ہے

ب- وہ ان میں آمادگی بڑھانے کے لئے مؤثر طریقے

اختیار کر سکتا ہے۔
ج ۔ وہ ان طلبہ کو مدرسہ کے تعلیمی مشاغل میں مناسب شرکت کے لئے آمادہ کر سکتا ہے جن پر مردنی اور بے حسی سی چھائی رہتی ہو اور جو کسی قسم کے تعلّم کے لئے قطعی آمادہ نظر نہ آتے ہوں ۔

تعلّم اور تحریک

تحریک و تحریص، تعلّم میں بہت نمایاں حصہ لیتے ہیں۔ ہر متعلم کے سامنے کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے ۔ اس مقصد کا حصول اُسے تعلّم پر محرک کرتا ہے ۔ ایک طالب علم کے لئے یہ خیال کہ امتحان پاس کرنے کے بعد وہ اگلی جماعت میں جانے یا فارغ التحصیل ہو کر اپنی روزی کمانے کے قابل ہو جائے گا ۔ سیکھنے کے عمل میں کافی کامیاب محرک ثابت ہوتا ہے ۔ محقق نئی نئی زبانیں سیکھنے میں اس لئے محنت اور توجہ صرف کرتا ہے کہ ان زبانوں کو سیکھنے کے بعد اسے اپنی تحقیق میں مدد ملنے کی امید ہوتی ہے

کسی قسم کی تحریک کی عدم موجودگی تعلّم پر بہت نامناسب اثر ڈالتی ہے ۔ ایک امیر آدمی کے بچّے کے لئے جسے

تحصیلِ علم کی نہ تو طبعی خواہش ہو اور نہ ہی کوئی جبلی ضرورت تعلم کا عمل بہت تکلیف دہ بن جاتا ہے۔

تعلّم اور دلچسپی

تعلّم میں دلچسپی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اگر طلبہ مدرسہ کے تعلیمی مشاغل میں دل چسپی محسوس کریں، تو وہ کافی کچھ سیکھ سکتے۔ اس کے برعکس پڑھائی میں عدم دلچسپی، بھسڈی پن، بھگوڑا پن، خلافِ معاشرت اور مجرمانہ مشاغل کی صورت میں نمودار ہوسکتی ہے۔ معلم کو چاہیے کہ وہ ہر سبق میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی کے سامان مہیا کرنے کی کوشش کرے تاکہ بچّے تعلم کے عمل سے بخوبی مستفیض ہوسکیں۔

تعلیم میں بچّوں کی دلچسپی پیدا کرنے کے لیے معلم کو مندرجہ ذیل امور کی اہمیت کو ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیے۔

ا۔ دلچسپ طریقِ تدریس

ب۔ بامقصد تعلیم و تربیت

ج۔ طلبہ کی مشارکت

دلچسپ طریقِ تدریس:۔ اگر طریقِ تدریس دلچسپ ہو۔ یعنی معلم دلچسپ مثالوں، نقشوں، تصویروں اور جدید

بصری اعانتوں کی مدد سے مواد کو آسان، دلچسپ اور مربوط انداز میں پیش کرے تو اس میں طلبہ کی دلچسپی بہت بڑھ جاتی ہے۔

بامقصد تعلیم و تربیت:۔ طلبہ جب محسوس کرنے لگیں کہ ان کی تعلیم و تربیت کا کوئی دلچسپ واضح اور قابلِ حصول مقصد بھی ہے تو بھی اس میں ان کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر تعلیم کا منصوبی طریقہ اس امر کو بہت اچھی طرح پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسی تعلیم جس کا کوئی مقصد ہی نظر نہ آتا ہو طلبہ کی فطری دلچسپی کا ہرگز باعث نہیں بن سکتی۔

طلبہ کی مشارکت:۔ درس و تدریس ایک بور کُن وعظ کی طرح نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر جماعت میں فقط معلم ہی بولتا ہو اور باقی سب بچے چپ چاپ سُنتے رہنے پر مجبور کر دیئے گئے ہوں تو ایسی پڑھائی میں طلبہ کی دلچسپی گھٹ جاتی ہے۔ جماعت کا عمومی ماحول خوشگوار اور درس و تدریس ایسے رفیقانہ انداز میں ہونا چاہیئے کہ بچے معلم سے سوال جواب، بحث و تحیص وغیرہ کے لئے فطری رغبت محسوس کریں اور معلم بھی جماعت کے مشاغل میں بچوں کی شمولیت کو درس و تدریس کا ایک ضروری جزو خیال کرے۔

اس قسم کے خوشگوار تعلیمی ماحول میں بچّوں کی دلچسپی بہت بڑھ جاتی ہے اور ان کے تعلم کی رفتار اور نوعیت بہت ترقی کر جاتی ہے۔

تعلُّم اور توجّہ

تعلُّم میں توجہ اور انہماک کے عناصر کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ توجہ کے بغیر کسی قسم کا کوئی تعلم ممکن نہیں۔ توجّہ کی مقدار اور نوعیت تعلم کی مقدار، نوعیت اور کامیابی کی ضامن ہے۔

انحرافِ توجہ تعلم کی رفتار اور نوعیت پر بہت بری طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ بہت ٹھوس محتاط تحقیق چاہتا ہے۔ کیونکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ عصرِ جدید میں ہمارے طلبہ کی توجہ کو منحرف کرنے والے عناصر بہت متنوع اور دلچسپ اور قوی ہوتے چلے جا رہے ہیں جس سے ہمارے سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں علم و ہنر کی رفتار، نوعیت اور ترقی پر بہت مایوس کن اثر پڑ رہا ہے۔

تعلّم اور مشق

آسان فہم مواد تو عموماً بغیر کسی دِقّت کے سمجھ میں

آجاتا ہے اور آسانی سے یاد بھی ہوجاتا ہے۔ مگر مشکل مواد کے لئے مشق اور تکرار کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مختلف قسم کے مشکل مواد کے لئے تکرار اور مشق کی مختلف نوعیت اور مقدار درکار ہے۔ مشق کو تعلم میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ اکثر اوقات اچھی طرح سمجھی ہوئی باتیں بھی طلبہ اس لئے بھول جاتے ہیں کہ ان کو باقاعدہ مشق کے مواقع میسر نہیں آتے۔

مشق کا مطلب مواد کو طوطے کی طرح رٹنا نہیں ہے۔ مشق سے مراد کسی مواد کو اچھی طرح سمجھ کر اُسے بار بار دُہرانا ہے۔ تاکہ وہ اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے۔ ہمارے اکثر مدرسوں میں مشق کے تصور کو بہت غلط سمجھا گیا ہے۔ اکثر حالتوں میں دیکھا گیا ہے کہ مواد خواہ طلبہ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ وہ اس کی برابر رٹائی کئے جاتے ہیں۔ اس سے تعلم کا اصل مقصد فوت ہوجاتا ہے۔ طلبہ کی ذہنی صحت پر بھی اس قسم کی رٹائی کا بہت ناگوار اثر پڑتا ہے۔ یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ ہمارا مروجہ نظامِ امتحان رٹائی کے اس مریضانہ طریق کو ختم کرنے کی بجائے اس کی ترویج کرتا ہے۔ ہماری تعلیم کا یہ پہلو ماہر تعلیمات کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

تعلم میں تکان اور بوریت کا دخل

تعلّم میں تکان اور بوریّت بھی بہت اہم حصّہ لیتے ہیں۔ تھکی ہوئی حالت میں تعلّم کی اثر پذیری بہت گھٹ جاتی ہے اسی طرح بوریّت کے عالم میں بھی کچھ لکھا پڑھا نہیں جاسکتا۔ تکان اور بوریّت میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر ذہنی اور جسمانی صلاحیّت میں فی الواقع کمی آجانے سے رونما ہوتی ہے۔ اور آخر الذکر کسی عمل سے نفرت یا بیزاری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اکثر حالتوں میں تعلّم پر ناگوار اثر ڈالنے میں تکان کی بجائے بوریت زیادہ حصہ لیتی ہے

تکان اور بوریّت کے چند اہم اسباب مندرجہ ذیل ہیں:۔

ا ۔ تعلیم و تدریس کے ناقص طریقے

ب ۔ مدرسہ کا ناقص طبیعی ماحول

ج ۔ متعلم کی ناسازگار جسمانی یا ذہنی کیفیات

د ۔ متعلم کی ناسازگار جذباتی زندگی۔

معلّم اور متعلّم دونوں کو ان سب اسباب کو سمجھنے اور ان کے مناسب حل کا اہتمام کرنا چاہیے تاکہ تعلّم کی فضا سے تکان اور بوریّت کے عناصر کو حتیٰ الوسع دُور کیا جاسکے۔

ذہانت اور تعلّم

تعلّم کا دارو مدار بیشتر بچّوں کے معیارِ ذہانت پر مبنی ہے ۔ مختلف ذہانت والے بچّوں پر تعلّم کا اثر مختلف ہوتا ہے ۔ ایسے بچّوں کی چند اقسام مندرجہ ذیل ہیں :-

۱۔ ادنیٰ ذہانت کے بچّے
۲۔ متوسط ذہانت کے بچّے
۳۔ اعلیٰ ذہانت کے بچّے
۴۔ فطین بچّے

ادنیٰ ذہانت اور تعلّم :- ادنیٰ ذہانت کے گروہ میں وہ تمام بچّے آجاتے ہیں جن کا مقیاس ذہانت صفر سے ۸۹ تک ہوتا ہے ۔ اس گروہ میں ذیل کی پانچ اقسام کے بچّے شامل ہیں ۔

ا ۔ مخبوط العقل بچّے جن کی ذہانت صفر سے ۱۹ تک ہوتی ہے ۔

ب ۔ فاتر العقل بچّے جن کی ذہانت ۲۰ سے ۴۹ تک ہوتی ہے ۔

ج ۔ ضعیف العقل بچّے جن کی ذہانت ۵۰ سے ۶۹

تک ہوتی ہے ۔

د ۔ احمق بچّے جن کی ذہانت ۷۰ سے ۹۰ تک ہوتی ہے ۔

ہ ۔ کُند ذہن بچّے جن کی ذہانت ۸۰ سے ۸۹ تک ہوتی ہے ۔

ادنیٰ ذہانت کی مذکورہ بالا اقسام میں سے پہلی تین قسمیں ایسے بچّوں کی ہیں جو کسی قسم کے تعلّم سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے ۔

مخبوط العقل بچّے بہت نایاب ہیں ۔ اس قسم کے بچّے اس قدر کم عقل ہوتے ہیں کہ انھیں قطعی کچھ بھی سکھایا پڑھایا نہیں جا سکتا ۔ فاتر العقل بچّے تھوڑا بہت سیکھ سکتے ہیں ۔ مگر انھیں پڑھائی ہجے کرنا اور ریاضی وغیرہ سکھانا ناممکن ہے ۔ ضعیف العقل بچّوں کو مسلسل محنت اور انفرادی توجہ سے آسان آسان باتیں سکھائی جا سکتی ہیں ۔ احمق بچّے تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا سیکھ سکتے ہیں ۔ بشرطیکہ انھیں اسی قسم کے بچّوں کے خصوصی اداروں میں تعلیم دی جائے ۔ کند ذہن بچّے عام مدرسوں کی تعلیم سے اسی صورت میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں جب معلم انھیں باقی بچّوں کی نسبت آسان آسان کام کرنے کو کہے اور ان کی طرف خصوصی توجہ دیتا رہے ۔

متوسط ذہانت اور تعلم :- متوسط ذہانت کے بچوں کا مقیاسِ ذہانت ۹۰ سے ۱۰۹ کے درمیان ہوتا ہے ۔ یعنی اس گروہ کے بچوں کا اوسط مقیاسِ ذہانت ۱۰۰ کے لگ بھگ ہوتا ہے ۔ اس قسم کے بچے مدرسہ کی تعلیم سے کافی تسلی بخش استفادہ کرتے ہیں ۔ انھیں فقط پڑھائی کے چند عسیر الفہم پہلوؤں سے متعلق ہی دِقت پیش آتی ہے ۔ معلم کی مناسب توجہ اور رہنمائی سے وہ اپنی اکثر تعلیمی مشکلات پر عبور حاصل کرنے کے قابل ہوجاتے ہیں ۔

اعلیٰ ذہانت اور تعلم :- اعلیٰ ذہانت کے بچوں کا مقیاسِ ذہانت ۱۱۰ سے ۱۱۹ کے درمیان ہوتا ہے ۔ اس قسم کے بچے معلم کی مسلسل رہنمائی اور دیکھ بھال کے بغیر بھی تعلم سے نمایاں استفادہ کرلیتے ہیں ۔ ۱۱۲ اور ۱۳۹ کے درمیان ذہانت والے بچوں کو ذہینِ اعلیٰ کہتے ہیں ۔ ان بچوں میں غیر معمولی خود اعتمادی ، تخلیقی استعداد اور غور وفکر ہوتا ہے ۔ وہ مدرسہ کی پڑھائی کے مشکل سے مشکل امور بھی آسانی سے اور بہت جلد سمجھ لیتے ہیں ۔

فطانت اور تعلم :- فطین بچوں کا مقیاسِ ذہانت ۱۴۰ یا اس سے اوپر ہوتا ہے " ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" کے مصداق فطین بچوں کو ان کی غیر معمولی تخلیقی صلاحیتوں کی وجہ سے

شروع بچپن ہی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ ایسے بچوں کی چند موٹی موٹی نشانیاں یہ ہیں:۔

ا - غیر معمولی علمی تجسس

ب - غیر معمولی قوت مشاہدہ

ج - غیر معمولی واقفیت عامہ

د - مطالعہ کا شدید شوق

فطین بچّے اپنی علمی اور تمدنی صلاحیتوں کی وجہ سے لوگوں کو ابتدائی عمر ہی سے متاثر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جواں ہو کر یہی بچّے مختلف شعبوں میں قائد بنتے ہیں اور سارا معاشرہ ان کے تخلیقی فکر و عمل سے مستفید ہوتا ہے۔

ذہانت اور تعلّم میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اساتذہ اور والدین کو چاہیئے کہ وہ بچّوں کی ذہانت کا جائزہ لیں۔ اور انھیں ان کی ذہانت کے عین مناسب تعلیمی کام دیں۔ تاکہ وہ تعلیمی مشاغل سے حتی المقدور استفادہ کر کے معاشرے کے مفید افراد بن سکیں۔

تعلّم اور طبعی رُجحان

عملِ تعلّم میں طبعی رجحان کو بھی بنیادی اہمیت حاصل ہے اگر متعلم میں کسی مضمون کو پڑھنے کے لئے طبعی رجحان موجود

ہو تو وہ اُسے بخوبی سمجھ سکتا ہے اور سمجھنے کے بعد اُسے دیر تک یاد بھی رکھ سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر اس کے اندر مضمون کے لئے کوئی فطری رغبت موجود نہ ہو تو اُسے سمجھنے میں دیر لگتی ہے اور بھولنے کی رفتار بھی تیز ہوتی ہے۔

اساتذہ اور والدین کو چاہیئے کہ وہ بچوں کے طبعی رجحانوں کو دریافت کرنے کی کوشش کریں اور انھیں فقط انہی مضمونوں اور ہنروں میں تعلیم و تربیت دیں جن کے لئے بچوں میں پہلے ہی سے کچھ نہ کچھ طبعی رجحان موجود ہو۔

تعلّم اور جذبات

خوشگوار اور سازگار جذباتی کیفیات تعلّم کے عمل میں بہت ممد ثابت ہوتی ہیں۔ فرحت، مسرت اور طمانیت سے بچے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ اس کے برعکس ناسازگار جذباتی عناصر سے تعلّم پر بہت غیر مناسب اثر پڑتا ہے۔ نفسیاتی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ جذباتی کھچاؤ، تناؤ، اضطراب پریشانیاں وغیرہ تعلّم کی اثر پذیری کو فنا کر دیتی ہیں۔

بچوں کی جذباتی زندگی کو برانگیختہ کرنے اور تعلم پر ناخوشگوار

اثر ڈالنے والے چند عناصر مندرجہ ذیل ہیں :-

۱۔ حسرتیں ، ناتمام خواہشیں، ولولے اور جذبے۔
۲۔ بچّوں سے والدین کا بے جا لاڈ پیار یا تغافل۔
۳۔ ناسازگار گھریلو حالات
۴۔ احساسِ کمتری اور محرومیت۔
۵۔ مدرسہ کی زندگی میں سابقہ ناکامیوں کا خیال
۶۔ اساتذہ اور ہمجولیوں کی تضحیک و تحقیر۔

اساتذہ اور والدین کو جذباتی زندگی کے ان تمام ناسازگار عناصر کو سمجھنے اور ان کا مناسب حل ڈھونڈھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ بچّوں کی جذباتی تعلیم و تربیت اور بروقت رہنمائی سے ان کے تعلّم کی استعداد میں بہت ترقی ہوتی ہے۔

تعلّم اور رویّہ

متعلّم کا عمومی رویّہ اور اس کا اندازِ فکر و عمل بھی تعلّم کو بہت متاثر کرتا ہے۔ اگر متعلّم عملِ تعلّم میں توجہ اور دلچسپی کا اظہار کرے اور جسمانی طور پر بھی کام میں مستعدی کا ثبوت دے تو تعلیم کا کام بہت آسان اور موثر ہو جاتا ہے اس کے برعکس اگر متعلّم کا اندازِ فکر و عمل تعلّم کے تقاضوں

کے منافی ہو تو اس ناساز گار رویہ سے تعلّم پر بہت ناگوار اثر پڑتا ہے۔ اس قسم کے نامناسب رویّہ سے عمل تعلّم نہ صرف بور کُن اور بے اثر ہو جاتا ہے بلکہ اس سے متعلم کی ذہنی اور جسمانی صحت پر بھی ناخوشگوار اثر پڑنے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔

خاندان، تمدّن اور تعلّم

خاندان اور تعلّم:- تعلّم میں بچّوں کے خاندانی حالات اور تمدنی اور عناصر کو بھی بہت دخل ہے۔ بچّوں سے متعلق والدین کے تعلیمی عزائم کا بچّوں کے تعلّم پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ مختلف اقتصادی اور معاشرتی معیاروں کے خاندانوں میں بچّوں سے متعلق والدین کے تعلیمی عزائم مختلف ہوتے ہیں۔ غریب گھرانوں میں روٹی اور لفبار حیات کا مسئلہ اس قدر شدید ہوتا ہے کہ تعلیم تو درکنار، بچّوں کو پیٹ بھر کر کھانا بھی میسّر نہیں آتا۔ اس لئے افلاس زدہ گھرانوں کے بچّے مدرسہ اور اس کے تعلیمی مشاغل کی نعمتوں سے اکثر محروم رہتے ہیں۔

متوسط خاندانوں میں والدین کی عموماً یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچّے اس قسم کی اعلیٰ تعلیم حاصل کریں، جو انھیں

جلد از جلد اعلیٰ منصب پر پہنچا دے ۔ چنانچہ اکثر متوسط گھرانوں میں بچّوں کی تعلیم و تربیت اور دیکھ بھال جنون انگیز حد تک بھی پہنچ جاتی ہے ۔ "کتاب زدہ"، سکون نا آشنا، مضطرب اور متوحش قسم کے بچّے اکثر متوسط طبقہ ہی سے پیدا ہوتے ہیں ۔

بالائی طبقہ کے والدین خواہشمند ہوتے ہیں کہ ان کے بچّے عام بچّوں سے الگ تھلگ رہیں اور اس قسم کے خصوصی اداروں میں تعلیم حاصل کریں ، جہاں اعلیٰ تعلیم کے علاوہ اُن کے احساس برتری کی پوری تشفی بھی ہوتی ہو ۔ گھر کی ناز و نعمت بھری زندگی اور اعلیٰ تعلیمی اداروں کا مخصوص ماحول لبسا اوقات ایسے طلبہ میں محنت سے نفرت اور عیش و عشرت کی چاٹ پیدا کر دیتا ہے جس سے ان میں تعلّم کی اثر پذیری بہت کم ہو جاتی ہے ۔

تمدّن اور تعلّم: اسی طرح تمدنی عناصر بھی بچّوں کے تعلّم پر اثر انداز ہوتے ہیں ۔ تمدنی اقدار و معیار ہر خطّے اور ہر ملک میں مختلف ہوتے ہیں ۔ ہر ملک کی عام زندگی اور ادارے اس کے تمدّن کے آئینہ دار ہوتے ہیں ۔ صنعتی تمدّن میکانکی اور صنعتی اقدار کو فروغ دیتا ہے ۔ ایسے تمدن میں بچّوں کو سائنس ، انجینیری اور مشینی کاموں میں کمال پیدا کرنے کی

رغبت ہوتی ہے۔ زراعتی تمدن میں نظام تعلیم کھیتی باڑی اور کاشتکاری کے فنون کو اہمیت دیتا ہے۔ ہر ملک میں بچے اپنے مخصوص تمدن کی پسندیدہ اقدار میں کسی نہ کسی طرح ضرور رنگے جاتے ہیں

تمدن کے فلسفیانہ عناصر بھی بچوں کے تعلم کو بہت متاثر کرتے ہیں۔ جمہوری تمدن میں بچے مساوات، عدل، خود مختاری اور آزادیٔ فکر و عمل کی قدروں سے روشناس ہوتے ہیں۔ آمرانہ یا جاگیردارانہ تمدن میں بچے استبداد اور "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" کے معیار و اقدار اپناتے ہیں۔

تعلم میں کھیل اور کام کا مقام

بچے فطری طور پر حرکت، عمل اور کھیل کو پسند کرتے ہیں۔ ایسا مدرسہ جس میں معلم پیریڈ کی ابتدا سے آخر تک بولتا رہے اور بچوں کو عمل اور کھیل کود وغیرہ کا کوئی موقع نہ دے۔ ان کی تعلیم و تربیت کے بارے میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

تعلیم کے جدید طریقے عمل اور کھیل کود کو مقدم اہمیت دیتے ہیں یہ طریقے کام کاج اور کھیل کود کے ذریعہ بچوں کو ہر قسم کے مضامین

نہایت خوشگوار اور آسان انداز میں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں نفسیاتی تجربوں اور تحقیقوں نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ تعلیم کے ان عملی اور تفریحی طریقوں سے بچّے جو باتیں سیکھتے ہیں وہ زیادہ دیر تک یاد بھی رکھتے ہیں اور زندگی بھر ان سے عملی فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔

ان جدید تدریسی طریقوں کی مختلف اقسام یہ ہیں:۔ منصوبی طریقہ ، انکشافی طریقہ، ڈالٹن پلان، مانٹسوری طریقہ، ڈرامائی طریقہ وغیرہ۔ اگلے باب میں ان سب طریقوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

تعلّمِ انسانی اور حیوانی

تعلّم کی صلاحیت انسان ہی کا خاصہ نہیں ہے۔ جانوروں میں بھی تعلم کی تھوڑی بہت صلاحیت ضرور موجود ہوتی ہے۔ جانوروں میں تعلّم مشاہدہ کرنے کے لئے متعدد نفسیاتی تجربے کئے گئے ہیں۔ یہ تجربے عموماً سفید چوہوں اور بندروں پر ہوئے ہیں۔ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ لنگوروں کا تعلّم انسانی تعلم سے بہت مشابہ ہے۔

بہر کیف انسانی تعلم کو حیوانی تعلم پر مجموعی طور پر فوقیت حاصل ہے۔ جانوروں کے مقابلے میں انسانی تعلم

کی چند امتیازی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں :-

۱۔ بہتر قوتِ مشاہدہ
۲۔ بہتر طریق تعلم
۳۔ زبان کا فائدہ
۴۔ قوتِ متخیلہ کا استعمال

انسانوں کی قوت مشاہدہ جانوروں کی نسبت بہت قوی ، شدید اور جامع ہے ۔ بہتر قوت مشاہدہ تعلیم میں بہت ممد ثابت ہوتی ہے ۔ انسانوں کا طریق تعلّم بھی جانوروں سے بدرجہا بہتر ہے ۔ کسی بات کو سیکھتے وقت انسان ، تکرار ، مشق ، غور و فکر ، تجزیہ ، مقابلہ ، موازنہ ، ضبط و تحمل وغیرہ سے کام لیتا ہے ۔ جانوروں کے طریق تعلم میں یہ مخصوص انسانی محاسن موجود نہیں ہو سکتے ۔ زبان کے استعمال کی وجہ سے بھی انسانی تعلم جانوروں کے تعلم پر فضیلت رکھتا ہے ۔

اسی طرح قوّتِ متخیّلہ کا استعمال بھی تعلم میں انسان کی بیش بہا معاونت کرتا ہے ۔ افراد اور اشیاء کی عدم موجودگی اور واقعات و حوادث کے اصل وقوع سے پہلے اور بعد میں بھی انسان ان سے متعلق سوچ بچار کر سکتا ہے ۔ مگر حیوان اس صلاحیت سے محروم

ہیں۔ اس لئے ان کے تعلّم کا عمل اس اعتبار سے بھی انسانی تعلم سے بدرجہا ادنیٰ ہے۔

تیرھواں باب

تعلیم بذریعہ کھیل

تعلّم کا بنیادی مقصد متعلم کی شخصیت اور انفرادیت کی نشو ونما کرنا ہے ۔ تعلیم کا کوئی جامع اور متوازن نظام بچوں کو درسی تعلیم دینے پر ہی اکتفا نہیں کرتا ۔ بلکہ اُن میں شگفتگی ، جدّت ، اختراعیت ، تعاون ، قیادت اور ہمدردی کی صلاحیتیں بھی اُجاگر کرتا ہے۔ ان اوصاف میں تربیت حاصل کئے بغیر بچے تعلیم کے اصل مفہوم سے کسی صورت بھی مستفیض نہیں ہو سکتے ۔

سابقہ نظام تعلیم کی بنیادی خامی

ہمارے سابقہ نظام تعلیم کی بنیادی خامی بھی یہی تھی کہ یہ بچّوں کے تخلیقی اوصاف کی تربیت میں ناکام رہا تھا۔ ہمارے طریق تعلیم میں کتاب ، رٹائی اور امتحانوں کو مرکزی اہمیت حاصل تھی ۔ ہمارے مدرسے ایسے بچّے پیدا کرتے تھے جن کے اعصاب پر کتابیں سوار ہوتی تھیں ۔ ان کے ذہن کتابی معلومات اور اعداد و شمار کے بوجھ

تلے دبے ہوتے تھے ۔ انھیں اپنی انفرادیت کے اظہار اور تخلیقی فنون کو اُجاگر کرنے کے مناسب مواقع میسر نہیں آتے تھے ۔

آزادی کے بعد اس صورتِ حال میں کافی تغیّر رونما ہوا خصوصاً تعلیمی کمیشن کی سفارشات پر عمل درآمد شروع ہونے کے بعد ہمارے تعلیمی امور میں بہت اصلاح اور ترقّی ہوئی ہے مگر ان سب باتوں کے باوجود ہمارے طلبہ کی اکثریت اب بھی مدرسہ کی تعلیم سے دِلی نفرت کا اظہار کرتی ہے ۔ انھیں اساتذہ کے لیکچر، پڑھائی کے لمبے لمبے پیریڈ اور نصاب بارگراں معلوم ہوتے ہیں ۔ تعلیم مشکل، بے کیف، مصنوعی اور بورنگ ہونے کی وجہ سے طلبہ میں اپنی کتابوں، اساتذہ یا مدرسہ سے متعلّق قطعی کوئی لگاؤ پیدا نہیں ہوتا ۔ ان سب باتوں کا مجموعی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تعلیم ان کی شخصیت اور سیرت پر کوئی خاطر خواہ اثر کرنے میں ناکام رہتی ہے ۔

کھیل کے ذریعہ درس و تدریس

متعدد ماہرینِ تعلیمات نے مختلف ملکوں میں اس قسم کی تعلیمی صورت حال پر کافی تحقیق کی ہے ۔ وہ

اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ایک ایسا نظام تعلیم جس میں سے عمل، حرکت اور کھیل کود کو بے دخل کر دیا جائے بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کے بارے میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بچے مجسم حرکت اور توانائی ہوتے ہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ دلچسپ تفریحوں، مشغلوں، کھیلوں وغیرہ میں جی بھر کے شامل ہوں۔ اگر مدرسہ اُن کی ان جائز خواہشوں کو اچھی طرح سمجھے اور ان کی تشفی کا مناسب اہتمام کرے تو وہ نہ صرف بچوں کی ذہنی اور جسمانی صحت کی ترویج کا باعث بنتا ہے۔ بلکہ درسی تعلیم کے فرائض کو بھی نہایت خوشگوار اور عمدہ طریقے سے سرانجام دیتا ہے۔

درس و تدریس کے اس نظریہ کو اصطلاحی زبان میں "تعلیم بذریعہ کھیل" کہتے ہیں۔ تعلیم بذریعہ کھیل کا مطلب یہ ہے کہ مدرسہ کی تعلیم و تربیت کو اس قدر دلچسپ اور فرحت انگیز بنا دیا جائے کہ بچوں کو درسی تعلیم بھی کھیل کود کی طرح آسان اور لطف انگیز شغل دکھائی دے۔ تعلیم بذریعہ کھیل کے ان تمام طریقوں میں کھیل کو بذاتِ خود کوئی علیحدہ اہمیت حاصل نہیں ہے بلکہ اسے بچوں کو کتابوں کے مفہوم اور زندگی کی گتھیاں

سمجھانے کے لئے محض ایک ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

تعلیم بذریعہ کھیل کی اقسام

تعلیم بذریعہ کھیل کود کی چند معروف اقسام مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ مانٹسوری طریقہ
۲۔ ڈرامائی طریقہ
۳۔ منصوبی طریقہ
۴۔ ڈالٹن پلان
۵۔ انکشافی طریقہ
۶۔ معاشرتی طریقہ

تعلیم بذریعہ کھیل کے ان تمام جدید طریقوں کی مشترکہ خصوصیت یہ ہے کہ یہ کھیل ہی کھیل میں بچّوں کو تعلیم و تربیت کی سنجیدہ گتھیاں سمجھا دیتے ہیں۔ درس و تدریس کے دوران میں بچّہ یوں محسوس کرتا ہے جیسے وہ کوئی دلچسپ کھیل کھیل رہا ہو۔ کمرۂ جماعت ایک مہیب قیدخانہ نظر آنے کی بجائے کھیل کا ایک خوشگوار

میدان دکھائی دیتا ہے۔

(۱)

مانٹسوری طریقہ

یہ طریقہ معروف اطالوی ماہر تعلیمات خاتون ڈاکٹر میریہ مانٹسوری نے ایجاد کیا تھا۔ ڈاکٹر مانٹسوری ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئیں اور ۱۹۵۲ء میں وفات پاگئیں۔ آپ کی ساری زندگی بچوں کے لئے بہتر تعلیم و تربیت پر تحقیق اور تجربوں میں بسر ہوئی۔

کھلونوں کے ذریعہ درس وتدریس :۔ مانٹسوری طریقِ تعلیم کھیل کے ذریعہ درس و تدریس کی ایک مشہور قسم ہے۔ یہ طریق اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ ننھے بچّوں کو آزادی، خود اختیاری اور تفریحی مشاغل کا ایک خوشگوار ماحول دے کر اُن کی ذہنی اور جسمانی نشوو نما کا خاطر خواہ اہتمام کیا جائے۔ اس غرض کے لئے بچّوں کو کھیلنے کے لئے طرح طرح کے تعلیمی کھلونے دیئے جاتے ہیں۔ یہ تعلیمی کھلونے بڑی احتیاط اور خصوصی ہدایات کے ماتحت تیار کئے جاتے ہیں۔ ان دلچسپ تعلیمی کھلونوں کی مدد سے بچے لکھائی، پڑھائی اور ابتدائی حساب وغیرہ

سیکھنے میں مسرت اور سہولت محسوس کرتے ہیں۔

مانٹسوری کے تعلیمی کھلونے :۔ مانٹسوری طریقۂ تعلیم میں استعمال ہونے والے کھلونے عام کھلونوں سے کہیں زیادہ دلچسپ اور مفید ہوتے ہیں۔ لکڑی کے فریم، بلاک، کٹے ہوئے حروف تہجّی، چھڑیاں، برش، موتی وغیرہ ان کھلونوں کی چند اقسام ہیں۔ ان کھلونوں سے کھیلنے سے بچّوں کو اپنے اعضا کو حرکت میں لانے اور اپنے حواس کو تربیت دینے کے بہت خوشگوار مواقع میسر آتے ہیں۔ ایسے تعلیمی کھلونوں سے کھیل کر لکھائی، پڑھائی اور حساب کے علاوہ بچّے بہتر اوصاف، عادات و اطوار وغیرہ میں بھی تربیت حاصل کر لیتے ہیں۔ ان میں خود اختیاری توجہ، تعاون اور خوش مزاجی کی صلاحیتیں اُجاگر ہوتی ہیں۔

خود اختیاری کی تربیت :۔ مانٹسوری طریقہ کا بنیادی مقصد بچّوں کو خود انتظامی اور خود اختیاری کی تربیت دینا ہے۔ تعلیمی کھلونوں سے کھیل کے دوران میں انھیں ان اوصاف کی نشو ونما کی طرف راغب کیا جاتا ہے۔ کھیل کے دوران میں ایک منتظمہ بچّوں کی دیکھ بھال کے لئے موجود ہوتی ہے۔ مگر وہ بچّوں کے آزادانہ کھیل کود میں قطعی دخل اندازی نہیں کرتی۔ جب بچّوں کو اُس کی

رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ خود ہی اس سے مشورہ طلب کرتے ہیں۔

مانٹسوری طریقہ کا جائزہ

مانٹسوری طریقۂ تعلیم چھوٹے بچّوں کی تعلیم و تربیت میں بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ دُنیا کے متعدد تعلیمی اداروں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ تاہم اس طریقِ تعلیم میں خوبیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی۔

چند اہم خصوصیات:۔ مانٹسوری طریقۂ تعلیم کی تین بڑی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:۔

ا۔ خوشگوار تعلیمی رُجحان کی تخلیق

ب۔ حواس کی بہتر تربیت

ج۔ پھسڈی بچوں کے خصوصی افادیت

مانٹسوری کے تعلیمی کھلونے بچّوں کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے اور ہنسی خوشی کام کاج کرنے کی تربیت دے کر مدرسہ اور اس کے مشاغل سے متعلق ایک خوشگوار رُجحان پیدا کر دیتے ہیں۔ بچّوں کو تعلیم، کتابوں، اساتذہ اور مدرسہ سے طبعی لگاؤ سا محسوس ہونے لگتا ہے۔ اس قسم کا خوشگوار تعلیمی رُجحان اُن کو آئندہ تعلیمی زندگی میں

بھی بہت کام آتا ہے۔

حواس کی ابتدائی تربیت کے لئے تو یہ طریقہ بے حد مفید ثابت ہوا ہے۔ ان تعلیمی کھلونوں کے ذریعہ بچّوں رنگ، حجم، وزن، تناسب وغیرہ میں تمیز کی صلاحیّت پیدا ہوتی ہے۔ یہ عملی تربیت انھیں درسی مضامین سمجھنے اور آئندہ سالوں میں سائنس وغیرہ کی تعلیم حاصل کرنے میں بہت آڑے آتی ہے۔

یہ طریقہ پھسڈی بچّوں کے لئے خصوصی طور پر کامیاب رہتا ہے۔ مدرسہ کی ہر جماعت میں چند ایک ایسے بچّے ضرور ہوتے ہیں جو مجرّد، منطقی، تقریری اور استدلالی طریقوں سے سمجھنے کی بہت کم صلاحیّت رکھتے ہیں۔ ایسے بچّوں کے لئے مانٹسوری کے تعلیمی کھلونے اور ان کھلونوں کے ذریعہ درسی تعلیم بے انتہا مفید ثابت ہوتی ہے۔

چند بنیادی خامیاں :- مانٹسوری طریقہ کی چند بنیادی خامیاں مندرجہ ذیل ہیں :-

ا۔ محدود اطلاق

ب ۔ بچّوں کی حرکات پر پابندیاں

اس طریقِ تعلیم کا دائرۂ اطلاق محدود ہے۔ اسے صرف

ننھے بچّوں کی تعلیم کے لئے ہی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بڑے بچوں کو کھلونوں کے ذریعہ تعلیم دینے کی کوشش کرنا، ان کی ذہنی نشو و نما پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔

مانٹسوری طریقہ اس بات کا دعوےٰ کرتا ہے کہ یہ طریقِ تعلیم بچّوں کے لئے خود اختیاری اور خود انتظامی کا مکمّل ماحول مہیّا کرتا ہے۔ کسی حد تک یہ دعوے غلط ہے۔ مانٹسوری طریقہ تعلیمی کھلونوں سے کھیلنے کے چند اصول اور طریقے وضع کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہدایات دی جاتی ہیں کہ بچّے ان اصولوں اور طریقوں پر پوری طرح کاربند رہیں۔ ان طریقوں کی پابندی کا تقاضا بچّوں کی انفرادی پسند اور ناپسند کے امور کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے۔ بچّوں کی حرکات پر اس قسم کی قید و بند لبا اوقات ان کی مناسب نشو و نما کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ طریقہ بچّوں کو مانٹسوری کے تعلیمی کھلونوں کے علاوہ کسی اور قسم کے کھلونوں سے کھیلنے کی ممانعت کرتا ہے۔

(۲)

ڈرامائی طریقہ

کھیل کے ذریعہ تعلیم کا یہ طریقہ درس و تدریس کو

ایک ڈراما یا تمثیل کی صورت دے دیتا ہے۔ ہر سبق کو ایک دلچسپ ڈرامے کے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے، جس میں طلبہ اور بسا اوقات اساتذہ بھی حصہ لیتے ہیں۔

یہ طریقہ ادب، تاریخ اور معاشرتی علوم کی تدریس میں خاص طور پر کامیاب رہا ہے۔ بچوں میں کسی سبق کے مختلف حصے بانٹ دیئے جاتے ہیں۔ وہ اپنے اپنے حصے کو ایک تمثیل یا ڈرامے کے پارٹ کی طرح ادا کرتے ہیں۔ مختلف پارٹ ادا کرنے سے وہ سارے سبق کے رموز و نکات کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں۔ تمثیلی طریقہ سے بچوں کے لئے مدرسہ کا کام ایک دلچسپ ڈرامے کی شکل اختیار کر جاتا ہے اور تعلیم مزید دلچسپی اور تجسس کا باعث بن جاتی ہیں۔ چنانچہ یہ طریقہ درس و تدریس سے تکان، بوریت اور جمود رفع کرنے میں بہت مدد دیتا ہے۔

ڈرامائی طریقے پر تبصرہ

ڈرامائی طریقے چھوٹے بچوں کے علاوہ بڑے بچوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس طریقہ کی مدد سے تعلّم اور یاد کرنے کا عمل بہت آسان اور دلچسپ ہو جاتا

ہے۔ بچے مدرسہ میں یوں محسوس کرتے ہیں جیسے وہ کسی تھیٹر میں بیٹھے ڈرامہ دیکھ رہے ہوں اور گا ہے گا ہے اس کے مختلف پارٹ اسٹیج پر خود بھی ادا کر رہے ہوں۔ اس اعتبار سے ڈرامائی طریقے کو تعلیم کے عام طریقوں پر کافی فوقیت حاصل ہے۔

تاہم اس طریقے کا دائرۂ اطلاق محدود ہے۔ اسے زیادہ آسانی سے فقط تاریخ، ادب اور معاشرتی علوم کی تدریس کے لیئے ہی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ تمام نصابی مضامین کی تعلیم اس طریقِ تعلیم سے نہیں ہو سکتی۔ مثال کے طور پر کیمیا، طبیعیات، ریاضی وغیرہ کو ڈرامائی طریقے سے پڑھانا تقریباً ناممکن ہے۔

(۳)

منصوبی طریقہ

منصوبی طریقۂ تعلیم بذریعہ کھیل کی ایک ایسی قسم ہے جو درس و تدریس میں منصوبہ، مقصد اور معاشرتی حقیقت کے عناصر کو نمایاں کرتی ہے۔

اس طریقہ کے مطابق طلبہ کی تمام تعلیم دلچسپ منصوبوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ مثلاً طلبہ ایک چھوٹے

سے شہر، ڈاک خانہ یا دُکان وغیرہ کا نمونہ تعمیر کرنے کا منصوبہ تیار کرتے ہیں۔ وہ اکٹھے مل کر اینٹیں ہڈی اور دیگر سامانِ تعمیر فراہم کرتے ہیں اور ایک باقاعدہ اسکیم کے ماتحت اپنے منصوبے کے مختلف حصّوں کی تعمیر میں لگ جاتے ہیں۔

منصوبوں کی تکمیل میں طلبہ نہ صرف غیر معمولی مسرّت اور فرحت ہی محسوس کرتے ہیں بلکہ کھیل ہی کھیل میں بہت کچھ سیکھ بھی لیتے ہیں۔ مثلاً ایک چھوٹے سے شہر کا ماڈل بناتے وقت وہ ننھے مُنّے پیمانہ پر رہائشی مکان تعلیمی ادارے، تجارتی مراکز، دُکانیں سڑکیں اور باغات وغیرہ تعمیر کرتے ہیں۔ ان عمارتوں سے متعلق نقشے بنانے اور انھیں تعمیر کرنے کے دوران انھیں شہریت، انجنیئری وغیرہ کی عملی تربیت ہوتی رہتی ہے۔ اسی عملی تربیت کی روشنی میں وہ ان علوم سے متعلق کتابیں بھی بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

اسی طرح ڈاک خانہ بنانے کی منصوبہ بندی کے دوران میں بچّے خط وکتابت اور ذرائع نقل وحرکت سے متعلق کافی کچھ سیکھ لیتے ہیں۔ چھوٹی سی دُکان کا ماڈل بنانے سے انھیں فنِ دُکانداری، تجارت اور صنعت و

حرفت وغیرہ سے متعلق کافی دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔

منصوبی طریقہ کی اہمیت

منصوبی طریقۂ تعلیم مدارس میں کافی کامیاب ثابت ہوا ہے۔ دلچسپ عملی منصوبوں کی تکمیل کے مواقع مہیا کر کے یہ طریقہ طلبہ کو درسی مضامین سمجھنے میں بہت مدد دیتا ہے۔ اس کے ذریعہ انھیں زندگی کی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی خوشگوار اور عملی تربیت بھی حاصل ہوتی ہے۔

یہ طریقِ تعلیم مغرب کے بے شمار مدرسوں میں بے حد مقبول ہوا ہے۔ مشرقی ممالک میں بھی اس طریقہ سے کافی استفادہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ہندوستان میں موگہ کے مشہور تربیتی ادارہ کی اساس اسی طریقہ پر رکھی گئی ہے۔ اس ادارہ میں دیہاتی مدارس میں پڑھانے والے اساتذہ کی تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اسی طرح ہندوستان میں جامعہ ملّیہ دہلی اور پاکستان کے متعدد ترقی پسند تعلیمی اداروں میں منصوبی طریقِ تعلیم سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ مہاتما گاندھی اور ڈاکٹر ذاکر حسین کی "بنیادی تعلیم کی تجویز" درحقیقت منصوبی طریقہ کی

ایک ایسی صورت ہے جسے ہندوستان کے دیہاتی بچّوں کی تعلیمی ضروریات کے لئے اپنایا گیا ہے۔

اس قدر مفید ہونے کے باوجود منصوبی طریق تعلیم ہر قسم کے مضامین کی تدریس میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر زبان، صرف و نحو، منطق وغیرہ اس طریقہ کے ذریعہ پڑھانا مشکل ہے۔

(۴)

ڈالٹن پلان

یہ طریقِ تعلیم یورپ میں بہت مقبول ہے۔ اس طریقہ کو ہیلن پارک ہرسٹ نے ۱۹۱۹ء میں امریکہ میں تجویز کیا تھا۔ ابتدا میں یہ لنگڑے لُنجے اور جسمانی طور پر معذور بچّوں کی دیگر اقسام کی تعلیم کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں اسے میساچوسٹس میں ڈالٹن کے مقام پر عام بچّوں کے ایک مدرسہ میں پہلی بار کامیابی کے ساتھ استعمال کیا گیا۔ اُس وقت سے یہ طریقِ تعلیم ڈالٹن پلان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ڈالٹن پلان درس و تدریس کے عام طریقوں سے بالکل مختلف ہے۔ یہ طریقہ بچّوں کو مقررہ تقسیمِ اوقات

اور مروجہ نصابِ تعلیم سے نجات دلاکر انہیں خود مختار فضا میں دلچسپ طریق سے تعلیم وتربیت دینے کی کوشش کرتا ہے۔ مدرسہ میں بچّے ایسے کمروں میں کام کرتے ہیں جنہیں تعلیمی "تجربہ گاہیں" کہتے ہیں۔ ان تجربہ گاہوں میں ہر قسم کا تعلیمی سامان، کتابیں، چارٹ، تجرباتی مواد، وغیرہ موجود ہوتا ہے۔ طلبہ کو ان کے کام کی قسطیں دے دی جاتی ہیں۔ ان قسطوں کو "حوالہ جات" کہتے ہیں۔ یہ حوالہ جات مختلف علوم وفنون کے کسی مخصوص شعبہ سے متعلق ہوتے ہیں۔ طلبہ ان حوالہ جات کو لے کر اپنی تعلیمی تجربہ گاہوں میں چلے جاتے ہیں اور اساتذہ کی مدد کے بغیر اُنھیں پورا کرنے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔

تعلیمی تجربہ گاہوں میں حوالہ جات پر کام کرتے ہُوئے بچّے یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی چھوٹے سے کارخانے میں ننھے ننھے کاریگر خوشی خوشی کام کر رہے ہوں۔ ان میں خود مختاری، احساس ذمہ داری اور تخلیقی صلاحیتیں اُجاگر ہوتی ہیں اور وہ ہنسی خوشی بہت کچھ سیکھ لیتے ہیں۔

ڈالٹن پلان کی تعلیمی اہمیّت

تعلیم بذریعہ کھیل کے طریقوں میں ڈالٹن پلان کو

بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ طریقہ اس فلسفۂ تعلیم کی تعمیل کرتا ہے جو درس و تدریس کو معاشرتی رنگ دینا چاہتا ہے۔ بچّوں کو اپنی تعلیمی قسط پر تعلیمی تجربہ گاہ کے خوشگوار اور خود مختار ماحول میں کام کرنے کا موقع دے کر یہ طریقہ اُن میں احساسِ ذمہ داری اور خود انتظامی اُجاگر کرتا ہے۔ ان میں علمی بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ انھیں اساتذہ کی نگرانی کے بغیر اپنے کام کو خوشی خوشی کرنے اور اپنا وقت (نظام الاوقات) اور نصاب خود وضع کرنے کی بہترین عملی تربیت ہوتی ہے۔

ڈالٹن پلان سے متعلق اس وقت تک کوئی ایسی باضابطہ تحقیق شائع نہیں ہوئی جس سے اس کی تعلیمی اہمیت کا صحیح اندازہ لگایا جا سکے۔ اس لئے فی الحال اس سے متعلق رائے زنی کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

بہت ممکن ہے کہ تعلیمی تجربہ گاہوں کے قیام وغیرہ پر غیر معمولی مالی اخراجات کی وجہ سے یہ طریقِ تعلیم پس ماندہ ممالک کے لئے اقتصادی طور پر قابل عمل نہ ہو۔ بہر کیف اگر ممکن ہو تو چند مدارس میں تجربہ کے طور پر ایک آدھ تعلیمی تجربہ گاہ بنا کر اس طریقِ تعلیم کے نتائج کا تجرباتی مطالعہ بہت دلچسپ اور مفید ہو سکتا ہے۔

(۵)

انکشافی طریقہ

اس طریقِ تعلیم پر پروفیسر آرمسٹرونگ نے کافی تحقیق کی ہے۔ اسے پہلے پہل سائنس کے مضامین کی تدریس کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔

انکشافی طریقہ کتابوں اور سُننے سنانے کے ذریعہ تعلیم کی سخت مخالفت کرتا ہے۔ یہ طریقہ طلبہ کو ایسے ماحول میں رکھ کر تعلیم دینے کی کوشش کرتا ہے۔ جن میں حقائق اور اصولوں کا انکشاف وہ خود کر سکیں۔

مثلاً طلبہ بھاری اشیاء کو زمین کی طرف گرتا دیکھتے ہیں۔ انھیں اس بات کی رغبت دلائی جاتی ہے کہ وہ اس طرح کے مشاہدات اور واقعات کے اسباب پر غور وفکر کریں۔ اس قسم کے غور و فکر کی روشنی میں طلبہ پر آہستہ آہستہ یہ حقیقت خود بخود منکشف ہونے لگتی ہے کہ بھاری اشیاء قانونِ کشش ارضی کی وجہ سے زمین کی طرف کھنچتی ہیں۔ انھیں اس قانون کو مزید سمجھنے اور نیوٹن کی سائنسی تحقیقات پر مزید بصیرت حاصل کرنے کی رغبت محسوس ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ کیمیا، طبیعیات، فلکیات، ریاضی وغیرہ کی کئی

مشکل ترین گتھیاں بھی بڑی آسانی سے سمجھنے لگتے ہیں۔

طلبہ میں اپنے ماحول سے متعلق بصیرت پیدا کرنا اور انھیں علوم و فنون کے رموز و نکات کو اپنی ذاتی کوششوں اور انفرادی محنت سے دریافت کرنے کی تربیت دینا اس طریقے کے بنیادی مقاصد ہیں۔ یہ طریقہ ان بنیادی مقاصد کے حصول میں بہت حد تک کامیاب رہا ہے۔

انکشافی طریقہ پر تنقیدی نظر

تعلیم بذریعہ کھیل کے باقی طریقوں کی طرح انکشافی طریقہ بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ طریقہ زیادہ تر سائنسی مضامین مثلاً طبیعیات، کیمیا، فلکیات وغیرہ کے مطالعہ میں خصوصی مدد دیتا ہے۔ اس کے استعمال سے طلبہ سائنسی اصولوں اور حقائق میں کافی بصیرت حاصل کر لیتے ہیں۔ سائنس کی تجربہ گاہ میں اس سے زیادہ مفید طریقہ شاید اور کوئی نہ ہو۔

تاہم اس طریقہ کا دائرۂ اطلاق محدود ہے اسے صرف سائنس کے مضامین کی درس و تدریس کے لئے ہی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ غیر سائنسی مضامین مثلاً ادب، تاریخ، زبان وغیرہ میں اس کا اطلاق محال ہے۔

اس کے علاوہ یہ طریقہ بذاتِ خود ایک باضابطہ طریق تدریس کا مقام نہیں رکھتا۔ اس کی افادیت بچوں میں محض ایک سائنسی زاویۂ نگاہ پیدا کرنے تک محدود ہے۔

(۶)

معاشرتی طریقہ

بچوں کو تعلیم دینے کے چند عملی معاشرتی طریقے بھی وضع کئے گئے ہیں۔ تعلیم بذریعہ کھیل کے ان تمام معاشرتی طریقوں کو مندرجہ ذیل گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(ا) سکاؤٹنگ اور گائیڈنگ کی تحریکیں۔

(ب) بچوں کے متفرق معاشرتی ادارے اور تحریکیں۔

لڑکوں کے لئے سکاؤٹنگ اور لڑکیوں کے لئے گائیڈنگ کی تحریکیں۔ معاشرتی تعلیم و تربیت کے بہترین طریقے ثابت ہوئے ہیں۔ ان تحریکوں کا مقصد بچوں کو گروہی فکر و کردار، تعاون و قیادت، مصائب کا دلیرانہ مقابلہ کرنے اور روزمرہ زندگی میں کام آنے والے بلیبیوں دیگر محاسن میں عملی تربیت دینا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے یہ تحریکیں بچوں کے لیے کیمپ، میلے اور طرح طرح کے اجتماع منعقد کرنے کا اہتمام کرتی ہیں

ان کیمپوں اور اجتماعوں میں مختلف قسم کے بچّے متفرق قسم کی عملی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ وہ طرح طرح کے بچّوں سے میل ملاپ، کھیل کود اور سیر و تفریح سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ بچّوں کو بے انتہا خوشگوار انداز میں معاشرتی نظم و نسق اور فکر و عمل کا سلیقہ سکھانا انہی تحریکوں کا کام ہے۔

سکاؤٹنگ اور گائیڈنگ کے علاوہ بچّوں کے چند متفرق معاشرتی اور تفریحی ادارے بھی قائم ہو چکے ہیں۔ جو ان کی تعلیم و تربیت کے کام کو ہنسی خوشی ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بچّوں کی دولت مشترکہ بچّوں کی بستی بچوں کے کلب اور تفریح مرکز، بچّوں کے معاشرتی خدمت کے ادارے نوجوانوں کی تحریک، نوجوانوں کے قیام خانے، نوجوانوں کے تمدنی اور ثقافتی مرکز وغیرہ اس قسم کے مفید اداروں کی چند مثالیں ہیں۔ ان اداروں کی رکنیت سے بچّوں کو اپنے فکر و عمل کو تخلیقی سانچوں میں ڈھالنے شخصیت و سیرت کو سنوارنے اور گروہی کردار کو اپنانے کی بہترین تربیت میسّر آتی ہے

معاشرتی طریقہ کی تعلیمی افادیت

معاشرتی طریقہ کی تعلیمی افادیت محتاجِ وضاحت نہیں،

سکاؤٹنگ، گائیڈنگ اور اسی طرح کے دوسرے معاشرتی اداروں میں شمولیت سے بچّے کی معاشرتی نشوونما میں سلجھاؤ اور سلیقہ پیدا ہوتا ہے۔ اسے صحت مند، قانون پسند کارآمد اور کامیاب بالغ شہری بننے کی بہترین خوشگوار اور عملی تربیت ملتی ہے۔

مصنف کو پاکستان، برطانیہ اور جاپان میں بگڑے بچّوں کی متعدد انواع کے مطالعہ اور علاج کا موقع ملتا رہا ہے میں نے دیکھا ہے کہ ان معاشرتی تحریکوں اور اداروں میں شمولیت کرنے والے بچّے شاذ ہی کسی ذہنی علت یا کردار کی خامی کا شکار ہوتے ہیں۔ کسی ذاتی تکلیف سے متعلق رہنمائی یا علاج کی خاطر چائلڈ گائیڈنس کلینک میں آنے والے بچّوں کی اکثریت عموماً ایسے بدنصیب بچّوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ جنھیں بچّوں کے کسی مخصوص معاشرتی ادارے میں شمولیت کا کوئی موقع میسر نہ آیا ہو۔ اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ متعدد بچّوں کی جذباتی تکالیف کسی باضابطہ معاشرتی ادارے کے رُکن بننے پر خود بخود ہی رفع ہو گئی ہوں۔ اس اعتبار سے ان معاشرتی تحریکوں اور اداروں کو نمایاں نفسیاتی اہمیت بھی حاصل ہے۔

سکاؤٹنگ، گائیڈنگ اور دیگر متفرق معاشرتی

اداروں اور تحریکوں کی نفسیاتی اور تعلیمی اہمیت مسلمہ ہے اس لئے والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کو ان میں سے کسی نہ کسی تحریک کا رکن بننے اور اس کے تمدنی اور معاشرتی مشاغل میں حصہ لینے پر آمادہ کریں۔

تعلیم بذریعہ کھیل کا جامع طریق

تعلیم بذریعہ کھیل کے چیدہ چیدہ طریقوں کا مفصل ذکر پچھلے صفحات میں کر دیا گیا ہے۔ ان سب طریقوں کا بنیادی عنصر یہ ہے کہ یہ تعلیم و تربیت کے عمل کو کھیل کی طرح آسان اور خوشگوار بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اساتذہ کو ان طریقوں سے حتی الوسع استفادہ کرنا چاہیئے۔

مگر یہ بات یاد رہے کہ کسی ایک طریق تعلیم ہی کو کامل رہنما بنا لینا قرین مصلحت نہیں ہے۔ کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ بچوں کے درس و تدریس میں موقع و محل کی مناسبت سے ہر طریقے کی تمام خوبیوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے۔

معلم اگر سوچ بچار سے کام لے تو کھیل کے ذریعہ تعلیم کا ایک ایسا جامع طریق اختیار کر سکتا ہے جس میں تمام طریقوں کے محاسن شامل ہوں۔ مثلاً ننھے اور کھیسڈی

بچّوں کی تعلیم کے لئے وہ مانٹسوری طریقہ تعلیم سے استفادہ کر سکتا ہے ۔ تاریخ ، ادبیات اور معاشرتی علوم کی تدریس کے لئے ڈرامائی طریقہ بہترین ثابت ہوتا ہے ڈالٹن پلان کو چند مخصوص مضامین کے مختلف پہلوؤں میں تعمق اور تبحر پیدا کرنے کے لئے بروے کار لایا جا سکتا ہے ۔

بچّوں میں منصوبہ بندی کی صلاحیت اُجاگر کرنے اور ان کی علمی دلچسپیوں کو عملی رنگ دینے کے لئے منصوبی طریقہ بہت مدد دے سکتا ہے ۔ سائنس کی تدریس کے لئے انکشافی طریقے کا استعمال بہت موزوں رہتا ہے ۔ بچّوں کی معاشرتی شدبُد اور ان کی شخصیت اور سیرت کی جامع نشوو نما کے لئے معاشرتی طریقہ سے کام لیا جا سکتا ہے ۔

تعلیمی جمود پر ضرب کاری

ہمارے سابقہ تعلیمی نظام کا طائرانہ جائزہ لیا جائے تو اس کی بوسیدگی اور جمود پر افسوس بھی ہوتا ہے اور ہنسی بھی آتی ہے ۔ اس فرسودہ نظامِ تعلیم پر صدیوں کی گرد پڑی ہوئی ہے ۔ اس کے برعکس دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے تعلیمی ادارے بچّوں کی جذباتی ، معاشرتی اور

تمدنی تعلیم و تربیت کے مناسب سامان مہیا کر کے انھیں مہذب شہری بنانے کی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ مستند ماہرینِ تعلیم طلبہ میں تعلیم سے بیزاری اور نفرت کے اسباب اور نتائج کا جائزہ لے رہے ہیں اور وہ ان سب باتوں کے سائنسی علاج کے لئے مسلسل تحقیق اور تجربے کر رہے ہیں۔

ہمارے طلبہ میں تعلیم و تربیت سے بیزاری اور بغاوت کی سب سے بڑی وجہ ہمارے سابقہ نظام تعلیم کی بوسیدگی اور جمود ہے کھیل کے ذریعہ تعلیم کے طریقے اس تعلیمی جمود اور بوسیدگی پر ضرب کاری ثابت ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنے نظام تعلیم سے بوسیدگی اور جمود کو واقعی طور پر مٹانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی تعلیم کو خوشگوار اور مؤثر بنانے کے لئے موزوں ذرائع پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنا چاہیئے اس غرض کو پورا کرنے کے لئے تعلیم بذریعہ کھیل کے جدید طریقے ہماری بہترین رہنمائی کر سکتے ہیں۔

مقامِ شکر ہے کہ اب ہماری ان اہم امور کی طرف بھی مناسب توجہ دی جانے لگی ہے۔ قومی تعلیمی کمیشن نے ہمارے نظامِ تعلیم کی بنیادی خامیوں پر روشنی ڈالی ہے اور انھیں دور کرنے کے لئے متعدد تعمیری تجاویز پیش کی ہیں۔ اب ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانا، حکومت، اساتذہ، والدین اور ہم سب کا مشترکہ فرض ہے۔

حصّہ چہارم

غیر معمولی بچّوں کی خصوصی تعلیم

★ غیر معمولی بچّوں کی خصوصی تعلیم

★★ فطین بچّے

★★★ کم عقل بچّے

★★★★ مضطرب بچّے

★★★★★ معذور بچّے

چودھواں باب

غیر معمولی بچّوں کی خصوصی تعلیم

اس حصّے اور اس کے مختلف ابواب میں غیر معمولی بچّوں اور ان کی خصوصی تعلیم کے امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ غیر معمولی بچّوں کے فکر و عمل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اُن کی خصوصی خوبیوں اور خامیوں کا تجزیہ کیا گیا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و علاج کے لئے اساتذہ اور والدین کے لئے قابلِ عمل مشورے پیش کئے گئے ہیں۔

غیر معمولی بچّے

انفرادی اختلافات کے باب میں ہم نے دیکھا ہے کہ بچّے آپس میں جسمانی، جذباتی، معاشرتی اور ذہنی اعتبار سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ عام بچّوں میں اس قسم کے اختلافات کسی نہ کسی حد تک ضرور موجود ہوتے ہیں۔ غیر معمولی بچّوں میں یہی انفرادی اختلافات نقطۂ انتہا پر ہوتے ہیں۔ چند خصوصیّات میں ایسے بچّے عام بچّوں سے اس قدر غیر معمولی طور پر مختلف ہوتے ہیں کہ ان کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔

غیر معمولی بچّے کی امتیازی خصوصیت خوبی بھی ہو سکتی ہے اور خامی بھی ۔ اس خصوصی خوبی یا خامی کی بنا پر غیر معمولی بچّہ افراد، اشیاء اور ماحول سے کامیاب مطابقت کرنے میں قدرے دقّت محسوس کرتا ہے ۔ اس اعتبار سے غیر معمولی بچّوں کے گروہ میں بے حد لائق اور بے حد نالائق، ذہین اور احمق غرض کہ ہر قسم کے ایسے بچّے جو عام بچّوں سے کسی نہ کسی پہلو میں بہت زیادہ مختلف ہوں شامل ہیں ۔

غیر معمولی بچّوں کی اقسام

غیر معمولی بچّوں کی متعدد اقسام ہیں ۔ مختلف قسم کے غیر معمولی بچّوں کی مختلف امتیازی خصوصیات ہیں ۔ اس حصے میں غیر معمولی بچّوں کی جن اقسام کا جائزہ لیا گیا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں :-

۱۔ فطین بچّے
۲۔ کم عقل بچّے
۳۔ مضطرب بچّے
۴۔ معذور بچّے

فطین بچّے اپنی خصوصی اعلیٰ ذہانت کی بنا پر عام بچّوں کی نسبت غیر معمولی ہوتے ہیں ۔ اسی طرح کم عقل بچّے ادنیٰ ذہانت

کی وجہ سے غیر معمولی بچّوں کے گروہ میں شامل کئے جاتے ہیں۔ بچّوں کی یہ ہر دو اقسام اپنی اعلیٰ یا ادنیٰ ذہانت کی وجہ سے غیر معمولی متصور ہوتی ہیں۔

غیر معمولی بچّوں کی ایک ایسی قسم جو عام بچّوں کی نسبت غیر معمولی جذباتی اضطراب، تشویش، پریشانی وغیرہ کا شکار رہتی ہے۔ جذباتی طور پر مضطرب کہلاتی ہے۔ مضطرب بچّوں سے متعلقہ باب میں ان بچّوں کے مندرجہ ذیل خصوصی اقتصا ذات کو بیان کیا گیا ہے۔

ا۔ تشدّد کی طرف غیر معمولی میلان

ب۔ عدم طمانیت

ج۔ جرائم پسندی

معذور بچّوں کے گروہ میں وہ تمام بچّے شامل ہیں جو کسی کسی جسمانی نقص کی وجہ سے عام بچّوں سے مختلف ہوں۔ اندھے، گونگے، بہرے، لُنجے، لنگڑے بچّے معذور بچّوں کی چند معروف انواع ہیں۔ ان معذور بچّوں میں مختلف قسم کے ایسے بچّے بھی شامل ہیں جن میں مذکورہ بالا جسمانی نقائص اتنے شدید نہ ہوں۔ مثلاً اندھے بچّوں کے علاوہ ضعیف البصر بچّے بھی اس گروہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ غیر معمولی بچّوں کی ایک قسم ایسی بھی ہو سکتی

ہے جس میں کئی ایک خصوصی امتیازات یکجا جمع ہو گئے ہوں مثال کے طور پر ایک ہی بچّے میں ذہانت کے غیر معمولی اوصاف، جذباتی اضطراب اور چند جسمانی نقائص بھی موجود ہو سکتے ہیں۔ اس قسم کے متعدد امتیازات والے بچّے کو غیر معمولی بچّوں کے کسی ایک گروہ میں شمار کرنا مشکل ہے۔ تاہم تفہیم اور آسانی کی خاطر ایسے بچّوں کو اپنے نمایاں ترین امتیاز کی وجہ سے متعلقہ گروہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک جسمانی طور پر معذور بچّہ تھوڑا سا مضطرب اور کم عقل بھی ہو تو نمایاں جسمانی نقائص کی بنا پر معذور بچّوں میں اس کا شمار ہو سکتا ہے۔

خصوصی تعلیم کی اہمیت

ہر قسم کے بچّے کو ایک ہی مدرسہ یا ایک ہی فریق میں ایک ہی قسم کی تعلیم دینا قرینِ مصلحت نہیں۔ فطین اور کم عقل، لائق اور پھسڈی، تندرست اور اپاہج، بینا و نابینا، متوازن اور مضطرب بچّوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے سے کوئی بچّہ بھی تعلیم و تربیت کے اصل مقصد سے مستفیض نہیں ہو سکتا۔ عام بچّوں کی نسبت غیر معمولی بچّوں کی طرف خصوصی توجہ اور رہنمائی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ان

بچّوں کی خصوصی دیکھ بھال نہ کی جائے تو ان کی شخصیت طرح طرح کی خرابیوں کا شکار ہو جاتی ہے۔

غیر معمولی بچّوں کے لئے خاص طور پر تجویز کئے ہوئے نظام درس وتدریس کو خصوصی تعلیم کہتے ہیں۔ خصوصی تعلیم میں مختلف قسم کے غیر معمولی بچّوں کے محاسن و معائب کو زیر نظر رکھ کر ان کے لئے درس و تدریس کا ایک ایسا سلسلہ وضع کیا جاتا ہے جو ان کی تعلیمی، جذباتی، معاشرتی اور جسمانی ضروریات کو خاطر خواہ پورا کرے اور اس کے علاوہ اُن سے مریضانہ احساسِ برتری یا کمتری کو دُور بھی کرے۔

خصوصی تعلیم کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے اس موضوع پر مندرجہ ذیل پہلوؤں سے غور وخوض ضروری ہے۔

ا۔ تعلیمی زاویۂ نگاہ

ب۔ نفسیاتی نقطۂ نظر

ج۔ معاشرتی اور اقتصادی پہلو

تعلیمی زاویۂ نگاہ :۔ تعلیمی زاویۂ نگاہ سے خصوصی تعلیم کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ہمارے ہاں غیر معمولی بچّوں کی تعداد کے مقابلہ میں ان کے معدودے چند مخصوص تعلیمی ادارے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ مخصوص تعلیمی ادارے یا عام تعلیمی اداروں میں خصوصی تعلیم میسر نہ آنے کی وجہ

سے اکثر غیر معمولی بچے طرح طرح کی پریشانیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اُن میں سے اکثر ابتدائی عمر ہی میں تعلیم کا سلسلہ ترک کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کسی جمہوری نظام میں حکومت کا مقدم فرض ہوتا ہے کہ ہر قسم کے افراد کے لئے ایسی تعلیم کا اہتمام کرے جو ان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کے عین مطابق ہو۔ ہماری تعلیمی کمیشن نے اس بنیادی حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے اور اس سلسلہ میں ایک جامع اور مربُوط پروگرام پیش کیا ہے۔

نفسیاتی نقطۂ نظر:۔ نفسیاتی نقطۂ نظر سے خصوصی تعلیم کی اہمیّت محتاجِ وضاحت نہیں۔ اگر غیر معمولی بچّوں کو اپنی خوبیوں اور خامیوں کے عین مطابق تعلیم میسر نہ آسکے تو ان کے ذہنی اور جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہو جانے کے خدشے بڑھ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر انھیں خصوصی تعلیم کی سہولتیں میسّر آجائیں تو وہ اپنی انفرادی استعداد کے مطابق تعلیم و تربیت حاصل کر کے متوازن، مؤثّر اور کامیاب زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

معاشرتی اور اقتصادی پہلو:۔ خصوصی تعلیم معاشرتی اور اقتصادی اعتبار سے بھی بہت اہمیت رکھتی ہے خصوصی تعلیم غیر معمولی بچّوں کی اعلیٰ استعداد کو اُجاگر کرتی ہے اور

اُن کی ذہنی اور جسمانی خامیوں کے علاج کا انتظام بھی کرتی ہے۔ اس قسم کی تعلیم اور رہنمائی کی بدولت غیر معمولی بچّے معاشرہ کے صحت مند اور کار آمد رُکن بننے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اگر غیر معمولی بچّوں کو خصوصی تعلیم میسر نہ آتے تو ان کی اعلیٰ خوبیاں یا خامیاں اُنھیں خلافِ معاشرہ کردار کی طرف مائل کرنے میں آسانی سے کامیاب ہو جاتی ہیں۔ خلافِ معاشرہ حرکات ان بچّوں کی اپنی ذات، اُن کے خاندان بلکہ سارے معاشرہ کے لئے عظیم مالی نقصان کا باعث بنتی ہیں۔ خصوصی تعلیم کی بدولت معاشرہ اس متوقع اقتصادی نقصان سے بچ سکتا ہے۔

خصوصی تعلیم کے مسائل

خصوصی تعلیم اور عام تعلیم کے بنیادی اصول بالکل مُشترک ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ خصوصی تعلیم غیر معمولی بچّوں کی امتیازی خوبیوں یا خامیوں کا سائنسی جائزہ لے کر تعلیم و تربیت کے ایسے ضابطے وضع کرتی ہے جو ان بچّوں کی مخصوص جسمانی، ذہنی، علمی، تمدنی، جذباتی اور معاشرتی ضروریات کو بطریقِ احسن پورا کرتے ہوں۔

یوں تو طلبہ کی زندگی اور ان کے روزمرّہ مسائل کو سمجھنا عام تعلیم میں بھی نمایاں اہمیت رکھتا ہے۔ مگر غیر معمولی بچّوں کی

انفرادی شخصیت کو سمجھنا خصوصی تعلیم میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ معلّم کو یہ حقیقت کبھی بھی فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ عام بچّے کی طرح غیر معمولی بچّہ بھی ایک انسان ہے، جس کے ہر قسم کے جائز تقاضوں کا احترام اور خواہشوں کی تشفّی لازمی ہے۔ غیر معمولی بچّے کی شخصیّت کے محاسن و معائب کو سمجھنا اس کی تعلیم و تربیت کے نظام اور اصلاح و رہنمائی کے کام کو آسان، مؤثّر اور کامیاب بنانے میں بہت مدد دیتا ہے۔

عام بچّوں کی طرح غیر معمولی بچّوں کا نظامِ تعلیم بھی جامع ہونا چاہیئے۔ خصوصی تعلیم میں درسی تعلیم اور فنّی تربیت دونوں کا مناسب امتزاج موجود ہونا چاہیئے۔ جدید تعلیم اور سائنس نے مشترکہ کوششوں سے غیر معمولی بچّوں کی تعلیم کے متعدد و مفید آلات اور طریقے ایجاد کئے ہیں جن کی مدد سے معذور ترین بچّوں کو بھی کسی نہ کسی قسم کی درسی تعلیم دی جا سکتی ہے۔ غیر معمولی بچّوں کے لئے عملی اور فنی تربیت بھی بہت ضروری ہے۔ مثال کے طور پر معذور بچّوں کو فرنیچر سازی، خیّاطی، طبّاخی، پارچہ بافی، دھوبی کا کام اور کئی دیگر پیشوں میں عملی تربیت دی جا سکتی ہے۔

خصوصی تعلیم کا پُرانا تصور یہ تھا کہ جسمانی طور پر معذور قسم کے غیر معمولی بچّوں کو فقط فنّی تربیت ہی دینی چاہیئے۔

یہ تنگ نظریہ اب فرسودہ ہو چکا ہے ۔ خصوصی تعلیم کا جدید تصور یہ ہے کہ عام بچّوں کی طرح غیر معمولی بچّوں کو بھی ان کی بساط کے مطابق درسی اور فنی دونوں قسم کی تعلیم و تربیت سے فیض یاب کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہ معاشرے کے زیادہ سے زیادہ مفید رکن ثابت ہو سکیں۔

تعلیمی مساوات کا تقاضا

مساوات کی باقی اقسام کی طرح تعلیمی مساوات بھی کسی جمہوری نظام کا بنیادی عنصر ہوتا ہے ۔ تعلیمی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ ہر فرد کو اُس کی صلاحیتوں کے مطابق ہر قسم کی درسی اور فنّی سہولتیں مہیا کی جائیں ۔ کسی بچّے کو کم عقل، بھسڈّی یا معذور ہونے کی بنا پر تعلیمی سہولتوں سے محروم کر دینا مساوات کے جمہوری اصولوں کے منافی ہے ۔

اساتذہ اور والدین کو اس بات کا اچھی طرح احساس ہونا چاہیئے کہ تمام بچّوں کی طرح غیر معمولی بچّے بھی ہماری توجہ اور شفقت کے مستحق ہیں ۔ تعلیمی مساوات کا تقاضا ہے کہ غیر معمولی ہونے کی وجہ سے ان بچّوں کی طرف خصوصی دھیان دیا جائے ۔ اس لئے فطین بچّے کو نظر انداز کر دینے، کم عقل اور بھسڈّی کو ڈانٹنے ڈپٹنے، جذباتی طور پر مضطرب بچّے کو سزائیں

دینے اور جسمانی طور پر معذور بچے کا مذاق اڑانے کی بجائے ان کی زندگی اور اس کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے اگر اس قسم کے بچّوں کے لئے احتیاط اور محنت سے تعلیمی سہولتوں کا خاطرخواہ اہتمام کیا جائے تو وہ خصوصی تعلیم وتربیت حاصل کرکے معاشرہ کے مفید اور روشن دماغ رہنما ثابت ہوسکتے ہیں ۔

پندرھواں باب

فطین بچّے

نہایت اعلیٰ ذہانت کے بچّوں کو فطین بچّے کہا جاتا ہے۔ ایسے بچّوں کا غیر معمولی بچّوں کے اس زُمرہ میں شمار ہوتا ہے جنہیں اعلیٰ قسم کی خصوصی تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ان کی طرف خصوصی توجہ نہ دی جاتے تو ان کی اعلیٰ ذہانت انھیں غیر مناسب فکر اور کردار کی طرف پھسلانے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ فطین بچّوں کی خصوصی تعلیم و تربیت کا معقول اہتمام کر دیا جائے تو وہ بڑے ہو کر زندگی کے مختلف شعبوں میں بیش بہا خدمات سر انجام دیتے ہیں اور معاشرہ کے لئے غیر معمولی طور پر مفید ثابت ہوتے ہیں۔

اپنی اعلیٰ صلاحیّتوں کی وجہ سے فطین بچّے شروع بچپن ہی سے پہچانے جاتے ہیں۔ ہماری تاریخ اس قسم کے متعدد ایسے ناموروں کے سوانح سے بھری پڑی ہے جنھوں نے بچپن ہی سے معاشرہ کو اپنی خداداد صلاحیّتوں سے مسحور کرنا شروع کر دیا تھا۔ مثال کے طور پر امام شافعیؒ، غزالیؒ، بوعلی سینا، ابن قاسم، شاہ ولی اللہ، امیر خسرو اور متعدد دیگر اکابر کے بچپن کے سوانح حیات بہت بصیرت افروز ہیں۔ ان اکابر نے اپنے بچپن میں اور بعد کی زندگی میں بھی مختلف علوم و فنون میں

اپنے غیر معمولی تبحر اور کمال سے لوگوں کو بے حد متاثر کیا۔

فطانت کی خصوصیات

مختلف فطین بچے ایک دوسرے سے کافی مختلف ہوتے ہیں۔ مگر چند بنیادی خصوصیات ایسی ہیں جو تقریباً سب میں مشترک ہوتی ہیں۔ اس قسم کی چند ایک خصوصیات درج ذیل ہیں:۔

ا۔ اعلیٰ جسمانی صحت

ب۔ غیر معمولی ذہنی خصوصیات

ج۔ جذباتی توازن

د۔ معاشرتی سلیقہ

عام خیال کے برعکس فطین بچے عموماً جسمانی طور پر بھی باقی بچوں سے زیادہ تندرست اور برتر ہوتے ہیں۔ فطین بچوں کا ذہنی معیار تو واضح طور پر بہت بلند ہوتا ہے۔ وہ عمومی ذہانت، طلب علم، تحقیقی صلاحیت، قوت ارادی، استقلال، احساس ترقی، عقل مشترک اور بذلہ سنجی میں اپنے ہم عمر بچوں سے بدرجہا بہتر ہوتے ہیں۔ چند ذہنی اوصاف جو خصوصی طور پر فطین بچوں کا طرۂ امتیاز ہیں یہ ہیں:۔

منطقی استدلال، غیر معمولی توجہ کی صلاحیت، اچھوتا پن،

قوتِ استعمام، متنوّع دلچسپیاں وغیرہ

جذباتی طور پر بھی فطین بچّے زیادہ صحت مند اور متوازن ہوتے ہیں۔ وہ عموماً خوش مزاج اور خلیق ہوتے ہیں اور نئے لوگوں اور ہر قسم کے ماحول سے بہت کامیابی سے مطابقت پیدا کر لیتے ہیں۔ فطانت اور معاشرتی صحت میں بھی گہرا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ فطین بچّے زیادہ دیانتدار، قابلِ وثوق، ملنسار اور متعاون ہوتے ہیں۔ وہ عام بچّوں کی نسبت جرائم اور خلاف معاشرہ حرکات کا بہت کم ارتکاب کرتے ہیں۔

تعلیم و تربیت کے اصول

اپنی غیر معمولی علمی استعداد کی وجہ سے فطین بچّوں کو اعلیٰ اور خصوصی تعلیم و تربیّت کی ضرورت ہوتی ہے۔ چند ایسے بنیادی اصول جنہیں فطین بچوں کی خصوصی تعلیم و تربیّت اور رہنمائی کے لئے مفید پایا گیا ہے درج ذیل ہیں:۔

۱۔ تعلیمی مساوات

۲۔ غیر معمولی ترقی سے اجتناب

۳۔ خصوصی نصاب

۴۔ غیر مناسب عادات کا تدارک

۵۔ جامع نشو و نما

۶۔ نفسیاتی تربیت

۷۔ خصوصی ذہین بچّوں کی دیکھ بھال۔

۸۔ علیحدہ فریق کا مسئلہ

(۱) تعلیمی مساوات:۔ تعلیمی مساوات کے اُصول کا تقاضا ہے کہ باقی بچّوں کی طرح فطین بچّوں کو بھی اپنی استعداد اور خداداد صلاحیّت کے عین مطابق تعلیمی نشو ونما کے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔

(۲) غیر معمولی ترقی سے اجتناب:۔ فطین بچّوں کو سال میں دو دو تین تین ترقیاں دے کر اگلی جماعتوں میں چڑھاتے جانا۔ ان کی تعلیمی، جذباتی اور معاشرتی نشو ونما کے لئے مُضر ثابت ہوتا ہے۔ مسلسل غیر معمولی ترقی پا کر وہ ایسے بچّوں سے جا ملتے ہیں جو جسمانی اور معاشرتی طور پر ان سے بہت پختہ کار ہوتے ہیں۔ اپنے سے بڑی عمر کے بچّوں کی صحبت ان کی جذباتی اور معاشرتی صحت پر بُری طرح اثر انداز ہوتی ہے جس سے ان کی تعلیمی تحصیل پر بھی ناگوار اثر پڑ سکتا ہے۔

(۳) خصوصی نصاب:۔ البتہ عام بچّوں کی نسبت فطین بچّوں کا نصاب تعلیم خصوصی طور پر اعلیٰ اور جامع ہونا چاہیئے۔ ان کے نصاب میں مندرجہ ذیل عناصر کا اضافہ

کیا جاسکتا ہے :-

ا - تہذیب وتمدن کا مطالعہ

ب - سوانح حیات کا مطالعہ

ج - جدید زبانوں کا مطالعہ

د - خصوصی قابلیتوں کی تربیت

(۴) غیر مناسب عادات کا تدارک :- ہر ایک سے مسلسل تحسین و آفریں وصول کرتے رہنے سے فطین بچوں میں خود زعمی ، نرگسیت ، کلییت ، سرکشی اور کئی دوسری مریضانہ جذباتی اور معاشرتی عادات کے بڑھ جانے کا احتمال ہوتا ہے ۔ اس لئے ان کی تعلیم وتربیت کے نظام میں ان عادات کی مناسب روک تھام اور علاج کا معقول اہتمام ہونا چاہیے ۔

(۵) جامع نشوونما :- فطین بچوں کو "کتابی کیڑا" بنا دینے کی بجائے ان کی تعلیم وتربیت جامع اور متوازن انداز سے ہونی چاہیئے ۔ علمی اور ذہنی تقاضوں کے علاوہ ان کے جسمانی ، جذباتی اور معاشرتی تقاضوں کو بھی نشو ونما کے مناسب مواقع بہم پہنچانے چاہئیں ۔

(۶) نفسیاتی تربیت :- ایسے بچوں کی تعلیم وتربیت کی اساس ہمیشہ بچوں کی نفسیات کے ٹھوس علم پر رکھنی چاہیئے ۔

(۷) **خصوصی ذہین بچّوں کی خصوصی دیکھ بھال**:۔ بہت زیادہ ذہین بچّوں کی تعلیم و تربیت، مزید توجہ، تدبّر اور فراست سے ہونی چاہیئے ۔ یہی بچّے کسی قوم کی ایسی بیش بہا متاع ہوتے ہیں جن کو جوان ہو کر مختلف علوم و فنون میں اپنے وطن اور اکثر اوقات دُنیا کی بھی قیادت کرنا ہوتی ہے ۔

(۸) **علیٰحدہ فریق کا مسئلہ**:۔ بعض ماہرین تعلیم اس بات کے حق میں ہیں کہ فطین بچّوں کا ایک علیٰحدہ فریق بنا کر انھیں باقی بچّوں سے الگ تھلگ رکھ کر تعلیم دی جائے ۔ علیٰحدہ فریق کا مخالف گروہ یہ کہتا ہے کہ اس طرح کی علیٰحدگی ایک غیر جمہوری اور غیر مناسب قدم ہے ۔ اس سے فطین بچّوں کے علاوہ عام بچّوں پر بھی بُرا اثر پڑنے کا احتمال ہے ۔ بہترین طریقِ کار یہ ہے کہ فطین بچوں کو مدرسہ کے اکثر وقت میں عام بچوں کے ساتھ تعلیم دی جائے ۔ مگر تھوڑا بہت وقت ایسا بھی متعین کر دیا جائے ۔ جب اُنھیں کسی علیٰحدہ کمرے میں اکٹھا کر کے تھوڑی بہت اعلیٰ قسم کی خصوصی تعلیم دی جائے

اس طرح وہ عام بچوں سے علیٰحدگی کے نقصانات سے بچتے ہوئے بھی امتیازی تعلیم و تربیت حاصل کر سکیں گے ۔

فطین بچّوں کی خصوصی تعلیم کے مسائل

فطّین بچّوں کی تعداد عام طور پر بہت کم ہوتی ہے۔ بچّوں کی اس اہم اقلیت کے لئے تعلیم و تربیّت کے خصوصی اہتمامات کے بارے میں رائے عامہ ابھی اتنی بیدار نہیں ہوئی اس کے علاوہ اس سلسلہ میں بیشمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چند ایسی مشکلات جو فطین بچّوں کی خصوصی تعلیم کے سلسلہ میں عموماً پیش آتی ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ خصوصی تعلیم کی اہمیت سے لاعلمی
۲۔ موزوں مدرسہ کا انتخاب
۳۔ خصوصی نصاب کی منصوبہ بندی
۴۔ خصوصی تدریس
۵۔ خصوصی تعلیمی سامان
۶۔ خصوصی غیر نصابی مشاغل
۷۔ علمی سیر و تفریح
۸۔ مسلسل ریکارڈ
۹۔ تربیت اساتذہ
۱۰۔ مالی مشکلات

۱۔ خصوصی تعلیم کی اہمّیت سے لاعلمی :۔ بہت کم

اساتذہ اور والدین اور اکثر فطین بچّے خود بھی اپنی فطانت اور اس کی خصوصی تعلیم و تربیّت کی اہمیت نہیں سمجھتے۔

۲۔ موزوں مدرسہ کا انتخاب:۔ فطین بچّوں کے لئے علیحدہ جماعتیں فقط اسی مدرسہ میں کھولنی چاہئیں جہاں اساتذہ اس قسم کی خصوصی تعلیم کی اہمّیت سے متعلق بخوبی طور پر واقف ہوں یا اس کی اہمیت محسوس کرنے پر آمادہ کئے جا سکیں۔ ایسے مدرسہ کا انتخاب بسا اوقات بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

۳۔ خصوصی نصاب کی منصوبہ بندی:۔ فطین بچّوں کے لئے خصوصی نصاب وغیرہ کی منصوبہ بندی کے لئے تحقیقوں اور تجربوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہمارے ہاں اس قسم کی علمی تحقیق اور تجربوں کی سہولتیں بہت کم میسّر آتی ہیں۔

۴۔ خصوصی طریقِ تدریس:۔ فطین بچّوں کی تعلیم و تربیّت کے لئے ایسے خصوصی طریقِ تدریس استعمال کرنے پڑتے ہیں جو ان کی اعلیٰ ذہانت کے لئے موزوں ہوں۔ معلم کو اس امر میں بھی خصوصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۵۔ خصوصی تعلیمی سامان:۔ ایسے بچّوں کے لئے خصوصی تعلیمی سامان مثلاً اعلیٰ تجربہ گاہیں اور ان کا متعلقہ سامان۔ بصری اعانتیں۔ مختلف قسم کے انسائیکلوپیڈیا اور دیگر کتب اور رسائل وغیرہ مہیّا کرنے کے امور میں کافی دقتیں

پیش آتی ہیں۔

۶۔ **خصوصی غیر نصابی مشاغل :۔** فطین بچوں کے لئے غیر نصابی مشاغل کا اہتمام بھی بہت احتیاط اور فہم و فراست سے کرنا پڑتا ہے۔ مدرسہ میں ان بچوں کے لئے مباحثہ کی مجلسوں، نقلی اسمبلیوں، پارلیمنٹوں اور متنوع قسم کی دیگر تمدنی اور جسمانی تفریحوں کے معقول انتظامات کا مسئلہ بھی کافی انتظامی اور مالی مشکلات کا باعث بنتا ہے۔

۷۔ **تعلیمی سیر و تفریح :۔** فطین بچّوں کے خصوصی علمی تجسّس کی مناسب تشفی کے لئے اُنھیں تاریخی، تمدنی اور اقتصادی اہمیت کے مشہور مقامات پر لے جانے اور اس قسم کی دوسری تعلیمی سیر و تفریح کا اہتمام کرنے کے لئے بھی کافی تخلیقی فکر و عمل درکار ہے۔

۸۔ **مسلسل ریکارڈ :۔** فطین بچّے مدرسہ کی تعلیم کے اختتام پر کیا کرتے ہیں؟ اس بات کے مطالعہ کے لئے ایسے بچّوں کے مسلسل ریکارڈ رکھنے بھی ضروری ہیں۔ ہمارے مدارس میں اس قسم کے ریکارڈ رکھنے کی اہمیت کو ابھی تک تسلیم نہیں کیا گیا۔

۹۔ **تربیت اساتذہ :۔** فطین بچّوں کی خصوصی تعلیم و تربیت کو کامیاب اور موثر بنانے کے لئے اساتذہ کی خصوصی

تربیت بہت ضروری ہے۔ اساتذہ کی خصوصی تربیت کے پروگرام میں فطانت کی سمجھ بوجھ، تبحرِ علمی، واقفیت عامہ علی جسمانی، ذہنی، معاشرتی اور جذباتی اوصاف کی تربیت وغیرہ کے پہلوؤں کو غیر معمولی اہمیت دینی چاہیئے۔ اس قسم کی تربیت کا معقول اہتمام کرنا کوئی آسان کام نہیں۔

۱۰۔ مالی مشکلات:۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی خصوصی تعلیم کے جملہ پہلوؤں کو عملی صورت دینے کے لئے سائنسی محنت کے علاوہ بہت سرمایہ بھی درکار ہے۔ چنانچہ فطین بچوّں کی خصوصی تعلیم و تربیّت کے متعدد مرحلے اکثر اوقات محض مالی مشکلات کی وجہ سے شرمندہ تکمیل ہونے سے رہ جاتے ہیں۔

اس بات کا خیال رہے کہ ان تمام مشکلات کا ذکر محض اس لئے کیا گیا ہے کہ اساتذہ تعلیمی منتظمین اور والدین کو فطین بچوّں کی خصوصی تعلیم و تربیت کے تمام نشیب و فراز کا بخوبی علم ہو جائے۔ مشکلات کے جائزے کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ فرد اس نتیجہ پر پہنچے کہ چونکہ کسی کام کی راہ میں طرح طرح کے مصائب کا سامنا ہوتا ہے۔ اس لئے اُسے ترک کر دینا چاہیئے۔ مشکلات کے تجزیہ کا صحیح مفہوم یہ ہوتا ہے کہ فرد ان کی نوعیت کو سمجھ کر ان کے علاج اور تدارک کے لئے سائنسی جدوجہد کر سکے اور ہر قسم کی غلط فہمی اور کج روی سے محفوظ رہے۔

فطین بچّوں کی خصوصی تعلیم کی اہمیت

فطین بچّوں کی مناسب تعلیم و تربیت کو نظر انداز کرنا اپنے بہترین سرمایۂ افراد سے صریح طور پر تغافل شعاری کے مترادف ہے۔ فطین بچّوں کی طرف خصوصی توجہ نہ دی جائے تو ان کی اعلیٰ ذہانت اور غیر معمولی استعداد خلاف معاشرت سمتوں کی طرف مائل ہو کر سارے معاشرے کے لئے ذہنی اور مالی مصائب کا باعث بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر ایسے بچّوں کو مناسب تعلیم و تربیّت میسّر آجائے تو وہ اپنی اعلیٰ ذہانت اور خصوصی قابلیت کے بل بوتے پر علوم و فنون کے مختلف شعبوں میں غیر معمولی اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔ معاشرہ ان کی خصوصی تعلیم و تربیّت پر جس قدر سرمایہ اور محنت صرف کرتا ہے اُسے اس سے کئی گُنا زیادہ صلہ فطین افراد کی بیش بہا خدمات کی صورت میں مل جاتا ہے۔

اس پہلو سے دیکھا جائے تو فطین بچّوں کی خصوصی تعلیم و تربیّت کسی صحت مند معاشرے کا ایک ایسا مقدم فریضہ متصوّر ہونا چاہیے جسے نظر انداز کرنا بد ذوقی بھی ہے۔

اور خطرناک بھی ۔ اگر ہم اس مسئلہ کے جملہ پہلوؤں کی اہمیت کو اس زاویۂ نگاہ سے مطالعہ کرکے انھیں اچھی طرح سمجھ سکیں تو اس سلسلہ میں مالی اور دیگر مشکلات کا حل ڈھونڈنا بھی نسبتاً آسان ہو جاتا ہے ۔

سولھواں باب

کم عقل بچّے

بعض بچّوں کی ذہانت اس قدر غیر معمولی طور پر کم ہوتی ہے کہ وہ مدرسہ کی تعلیم سے خاطر خواہ استفادہ نہیں کر سکتے۔ ایسے بچّے جن کا مقیاسِ ذہانت ۷۰ سے کم ہوتا ہے کم عقل بچّے کہلاتے ہیں۔ اس قسم کے بچّوں کی تین اقسام ہیں۔ جو درج ذیل ہیں:-

ا۔ مخبوط العقل بچّے جن کا مقیاس ذہانت صفر سے ۱۹ تک ہوتا ہے۔

ب۔ فاتر العقل بچّے جن کا مقیاس ذہانت ۲۰ سے ۴۹ تک ہوتا ہے۔

ج۔ ضعیف العقل بچّے جن کا مقیاس ذہانت ۵۰ سے ۶۹ تک ہوتا ہے۔

کم عقل بچّوں کی خصوصیات

کم عقل بچّوں کی نشوونما بہت سست ہوتی ہے۔ ذہنی طور پر ایسا بچّہ بہت مدھم رفتار سے بڑھتا ہے۔ پانچ چھ سال کی عمر میں اکثر بچّے مدرسہ جانا شروع کر دیتے ہیں۔ مگر کم عقل بچّے

ذہنی طور پر عام بچوں کی نسبت دو تین سال بعد مدرسہ جانے والی عمر کو پہنچتے ہیں۔ اس قدر تاخیر سے داخلہ کے باوجود بھی مدرسہ میں اُن کے تعلّم کی رفتار بہت سست ہوتی ہے۔ ساتھیوں کی ہنسی مذاق اور معلم کی مستقل مار پیٹ سے تنگ آکر کم عقل بچے عموماً پڑھائی سے متنفّر ہو جاتے ہیں۔ وہ مدرسہ سے بھاگنا اور خلاف معاشرہ مشاغل میں شرکت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے مشاغل سے ان کی معاشرتی اور جذباتی الجھنوں میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

کم عقل بچوں کی چند نمایاں خصوصیات یہ ہیں:۔

جسمانی کمتری کا احساس، مستقل جسمانی بیماریاں، جذباتی عدم توازن، معاشرتی عدم مطابقت، گفتگو کی غیر مکمل اور ناقص صلاحیت، محدود اور عامیانہ دلچسپیاں۔ طفلانہ مشاغل، توجہ اور استغراق کا فقدان، مشاہدہ اور استدلال کی نااہلیت، تخلیقی قوّت کا قحط، ضبط، تحمل اور عملی شدبد کا فقدان، حد درجہ اثر پذیری، غیر مستقل مزاجی، بداخلاقی اور جرائم کی طرف غیر معمولی میلان وغیرہ وغیرہ۔

کم عقلی کے اسباب اور علاج

کم عقلی کے لئے کوئی ایک سبب ذمہ دار نہیں ہوتا۔

یہ صورتِ حال مختلف اسباب سے پیدا ہوتی ہے۔ اسباب کا علم اور اُن کی روک تھام موثر طریقوں سے واقفیت، اساتذہ اور والدین کے لئے بہت ممد ثابت ہو سکتی ہے۔ کم عقلی کے چند اہم اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ موروثی عناصر
۲۔ عمرانی عناصر
۳۔ جسمانی عناصر
۴۔ جذباتی عناصر

(۱) موروثی عناصر:۔ کم عقلی لبا اوقات وراثت میں ملتی ہے۔ کم عقل بچوں کی اکثریت ایسی ہوتی ہے جن کے والدین بھی کم عقل تھے۔

(۲) عمرانی عناصر:۔ چند ماہر عمرانیات نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ کسی خاندان کی ناسازگار معاشرتی اور اقتصادی حالات کی وجہ سے بھی بچوں میں کم عقلی پیدا ہو سکتی ہے۔

۳۔ جسمانی عناصر:۔ بعض دماغی نقائص اور بیماریاں بھی کم عقلی کا باعث بنتے ہیں۔ اس کے علاوہ جسمانی حادثے اور ناسازگار بدنی کیفیات بھی کم عقلی پیدا کرنے کا باعث

ہو سکتے ہیں ۔ حیاتین کی کمی اور مناسب خوراک میسّر نہ آنے سے بھی کم عقلی واقع ہو سکتی ہے ۔

۴ ۔ جذباتی عناصر :۔ جذباتی عدم توازن بھی کم عقلی کا سبب ہو سکتا ہے ۔ اس وجہ سے پیدا شدہ کم عقلی خصوصی طور پر غیر معمولی بھسڈّی پن کی صورت میں نمودار ہوتی ہے ۔

کم عقلی کی روک تھام اور علاج کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی گئی ہیں :۔

۱ ۔ علیحدگی
۲ ۔ بانجھ پن
۳ ۔ ضبطِ ولادت

۱ ۔ علیحدگی :۔ ایک تجویز یہ ہے کہ کم عقل بچّوں کو عام بچّوں سے علیحدہ کر کے مخصوص تعلیمی اداروں میں رکھا جائے ۔

۲ ۔ بانجھ پن :۔ بے حد کم عقل والدین میں طبّی طریقوں سے بانجھ پن پیدا کر دینا چاہیئے ۔ تاکہ وہ اپنے ایسے کم عقل افراد کی مزید تخلیق سے باز رہیں ۔

۳ ۔ ضبطِ ولادت :۔ اگر کسی گھرانے میں یکے بعد دیگرے کم عقل بچّے پیدا ہو رہے ہوں تو والدین کو اپنا نفسیاتی اور طبّی معائنہ کرانا چاہیئے ۔ اگر پھر بھی کم عقل بچّوں کی پیدائش میں فرق نہ پڑے تو انھیں ضبطِ ولادت کی جدید سہولتوں سے

استفادہ کرنا چاہیئے ۔

کم عقل بچّوں کی تعلیم و تربیّت کے اصول

کم عقلی بنیادی طور پر ایک تعلیمی مسئلہ ہے ۔ کم عقل بچّے کی عام نشانی مدرسہ کی تعلیم میں غیر معمولی پھسڈّی پن ہے معلّم کو چاہیئے کہ کم عقلی کے جملہ اسباب کا جائزہ لے کر ایسے بدنصیب بچّوں کو اپنی اس غیر معمولی ذہنی خامی کو کم سے کم تر کرنے میں حتی الوسع مدد دے ۔

کم عقل بچّوں اور عام بچّوں کی تعلیم و تربیت کے بنیادی اصولوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے ۔ چند مفید اصول جو اساتذہ اور والدین کی رہنمائی کر سکتے ہیں مندرجہ ذیل ہیں ۔

۱ ۔ تعلیمی مساوات
۲ ۔ قبل از مدرسہ تعلیم و تربیّت
۳ ۔ مناسب تعلیمی مشاغل
۴ ۔ جذباتی تربیّت
۵ ۔ تضحیک و تحقیر سے اجتناب
۶ ۔ علیحدہ تعلیم اور خصوصی نصاب
۷ ۔ کم عقلی کا نفسیاتی علاج

۱ ۔ تعلیمی مساوات :۔ تعلیمی مساوات کا تقاضا ہے کہ ہر

بچّے کو اپنی استعداد کے مطابق تعلیم و تربیت کے مناسب مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ اس اعتبار سے کم عقل بچّوں کے لیے خصوصی تعلیم کے سامان مہیا کرنا تعلیمی مساوات کے اصولوں کا عملی اطلاق ہے۔

۲۔ **قبل از مدرسہ تعلیم و تربیّت**:۔ اکثر اوقات کم عقل بچّوں کو مدرسہ بھیجنے سے قبل گھر پر تھوڑی بہت تعلیم و تربیّت دی جائے تو اُس سے وہ مدرسہ کے تعلیمی مشاغل سے کچھ نہ کچھ اخذ کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

۳۔ **مناسب تعلیمی مشاغل**:۔ مدرسہ میں انھیں اپنی ذہانت کے معیار کے مطابق آسان سے آسان تعلیمی کام دینا چاہیئے تاکہ تھوڑی بہت تحصیل کے بعد ان میں مزید تحصیل اور محنت کا شوق پیدا ہو۔

۴۔ **جذباتی تربیّت**:۔ اپنی کم عقلی اور ساتھیوں کی تضحیک و تحقیر کی وجہ سے کم عقل بچّوں کی جذباتی زندگی درہم برہم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لیے جذباتی تربیت ایسے بچّوں کی خصوصی تعلیم کا ضروری حصّہ ہونی چاہیئے۔

۵۔ **تضحیک و تحقیر سے اجتناب**:۔ ایسے بچّوں کی تضحیک و تحقیر کرنا بہت غیر مناسب حرکت ہے۔ ان پر پھبتیاں کسنا، ان کو طرح طرح کے ناموں سے پکارنا اور انگشت نمائی کرنا ان کی

شخصیت پر بہت برا اثر ڈالتا ہے۔ معلّم اور مدرسہ کے بچوں کو ایسی غیر موزوں حرکات سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۶۔ **علیٰحدہ تعلیم اور خصوصی نصاب** :۔ ایسے بچّوں کو عام بچّوں سے علیٰحدہ کر کے انھیں ایسے اداروں میں تعلیم دینی چاہیے جو کم عقل بچّوں کے لئے مخصوص ہوں۔ اگر اس قسم کا خصوصی ادارہ موجود نہ ہو تو عام مدرسوں میں کم عقل بچّوں کے لئے علیٰحدہ فریق بناکر ان کی موزوں خصوصی تعلیم کا اہتمام کرنا چاہیے۔ کم عقل بچّوں کو عام بچّوں کے ساتھ رکھ کر تعلیم دینا کسی اعتبار سے قرینِ مصلحت نہیں۔ کم عقل بچّوں کے لئے نصاب بھی مخصوص قسم کا ہونا چاہیے۔ اس میں خشک کتابی علم کی بجائے عملی، آسان اور دلچسپ باتوں پر اہمیت دی جانی چاہیے۔ ایسے بچّوں کے لئے آسان اور مناسب فنی تعلیم کا بندوبست کرنا بھی بہت ضروری ہے۔

۷۔ **کم عقلی کا نفسیاتی علاج** :۔ ممکن ہو تو مدرسہ میں کم عقلی کے نفسیاتی علاج اور روک تھام کا اہتمام ہونا چاہیے۔ اس غرض کے لئے مدرسہ میں نفسیاتی کلینک کا قیام ضروری ہے اگر مدرسہ میں اس قسم کا کلینک موجود نہ ہو تو گردو نواح کے کسی نفسیاتی کلینک سے اس غرض کے لئے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر گردو نواح میں بھی کوئی نفسیاتی کلینک موجود نہ ہو تو معلّم اس موضوع پر مخصوص نفسیاتی کتب وغیرہ کا

مطالعہ کر کے کم عقل بچّوں کی بیشتر تکالیف کا مناسب مداوا کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔

کم عقل بچّوں کی تعلیم کے چند مسائل

کم عقل بچّوں کی تعلیم و تربیّت کو موثّر بنانے کے لئے چند متعلّقہ تعلیمی مسائل کی طرف خصوصی توجّہ کی ضرورت پڑتی ہے چند تعلیمی مسائل اور اُن کے مجوّزہ حل مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ جماعت بندی
۲۔ جدید تعلیمی سامان
۳۔ خصوصی نصاب
۴۔ خصوصی طریقِ تدریس
۵۔ معقول عمومی رویّہ
۶۔ تربیت اساتذہ

۱۔ جماعت بندی :۔ کم عقل بچّوں کو معلّم کی انفرادی توجّہ کی خصوصی ضرورت ہوتی ہے ۔اس لئے ان کی جماعت میں زیادہ بچّے نہیں رکھے جا سکتے ۔ مغربی ممالک میں کم عقل بچّوں کے ایک عام فریق میں عموماً دس سے بیس کے درمیان بچّے رکھّے جاتے ہیں۔ جماعت بندی کا مسئلہ لبسا اوقات اساتذہ کے لئے طرح طرح کی انتظامی دقتوں کا باعث بنتا ہے۔

۲۔ جدید تعلیمی سامان :- کم عقل بچّوں کے کمرہ کو خصوصی فرنیچر سے آراستہ کرنا بہت مناسب قدم ہے۔ اس کے علاوہ بصری اعانتوں دلچسپ تعلیمی فلموں، نقشوں چارٹوں وغیرہ کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ ایسے سامان کے حصول کے لئے مناسب سرمایہ کی فراہمی بھی ایک مستقل دردِ سر سے کم نہیں ہے۔

۳۔ خصوصی نصاب :- کم عقل بچّوں کے لئے ایسا خصوصی نصاب درکار ہے جو آسان اور دلچسپ ہو۔ اس قسم کے خصوصی نصاب کی توسیع کے لئے نفسیاتی تحقیقوں اور تجربوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں اس قسم کی تحقیقوں اور تجربوں کے لئے مناسب سہولتیں عموماً میسّر نہیں آتیں۔

۴۔ خصوصی طریق تدریس :- کم عقل بچّوں کی تدریس کا طریق خصوصی طور پر آسان، دلچسپ اور انفرادی ہونا چاہیئے۔ اس قسم کے خصوصی طریق تدریس کی چند نمایاں خصوصیّات درج ذیل ہیں۔

ا۔ مشق اور تکرار کی فراوانی۔

ب۔ لمبی لمبی اور خشک باتوں کی بجائے ایسی مختصر آسان اور دلچسپ باتوں پر زور جن کا تعلق روزمرّہ زندگی سے ہو۔

ج۔ معاشرتی علوم، ادب اور تاریخ وغیرہ پڑھاتے وقت

فلسفیانہ اور حکیمانہ تفصیلات بیان کرنے کی بجائے دلچسپ واقعات اور افراد پر روشنی۔

د۔ جغرافیہ اور شہریت وغیرہ پڑھاتے وقت دور دراز کے بیرونی ممالک کے محل وقوع، نظامِ حکومت اور تہذیب وتمدن کی تفاصیل میں جانے کی بجائے اپنے ملک، صوبہ، شہر، تحصیل گاؤں، محلہ اور گلی بازار کے دلچسپ حالات اور عمومی نظم ونسق سے تعارف۔

۵۔ معقول عمومی رویّہ:۔ کم عقل بچّوں سے متعلّق معقول عمومی رویہّ اختیار کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس قسم کے خصوصی رویّہ کو اپنانے کے لئے معلّم کو محنت اور فراست سے کام لینا پڑتا ہے۔ ایک ناتجربہ کار معلّم اس کام کو مناسب طریق سے سرانجام نہیں دے سکتا۔

اکثر اساتذہ اور والدین کم عقل بچّوں کی تعلیم وتربیت کے بیشتر مرحلوں پر غضبناک ہوجاتے ہیں۔ انھیں ڈانٹتے ڈپٹتے ہیں اور ان کی تحقیر وتضحیک کرتے ہیں۔ اس قسم کا غیر معقول رویّہ کم عقل بچّوں کے مصائب میں مزید اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ اساتذہ، والدین اور کم عقل بچّوں کے ساتھیوں کو اس قسم کے غیر مناسب رویّہ سے اجتناب کی عادت ڈالنی چاہیئے۔

۶۔ تربیتِ اساتذہ:۔ کم عقل بچّوں کو پڑھانے والے

اساتذہ کے لئے خصوصی تعلیم کے فن میں تربیت یافتہ ہونا اشد ضروری ہے۔ تعلیمی قابلیّت اور تجربہ کے علاوہ ایسے اساتذہ میں شخصیت کے خوشگوار اوصاف کا ہونا بھی لازمی ہے۔ اس کے علاوہ انھیں غیر معمولی اور خصوصاً کم عقل بچّوں کی نفسیات کا علم ہونا بہت ضروری ہے۔ اس قسم کے اساتذہ کی تربیت کی راہ میں متعدد مالی اور انتظامی مشکلات حائل ہوتی ہیں۔ جن کو حل کرنے کے لئے خصوصی فکر اور توجّہ کی ضرورت ہے۔

کم عقل بچّوں کی خصوصی تعلیم کی اہمیت

ہر ملک میں بچّوں کی ایک خاصی تعداد ایسی ہوتی ہے جو اپنی ادنیٰ ذہانت کی وجہ سے عام مدرسہ کی تعلیم و تربیت سے پوری طرح مستفیض ہونے سے طبعًا قاصر رہتی ہے۔ اس قسم کے بچّوں کے لئے خصوصی تعلیم و تربیت کا علیحدہ اہتمام کر دیا جائے تو ان کی جسمانی اور ذہنی صحت میں کافی تسلی بخش ترقی ہوتی ہے۔ اُن میں کچھ نہ کچھ علم حاصل کرنے اور معاشرے کے مفید شہری بننے کی تحریص پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح وہ اپنے خاندان اور معاشرہ پر مستقل طور پر بارگراں نہیں بنے رہتے۔

اس کے برعکس اگر کم عقل بچّوں کی تعلیم و تربیت کے مسائل سے تغافل برتا جائے تو ان کی ذہنی معاشرتی اور جسمانی

صحت طرح طرح کے خطروں سے دوچار ہو جاتی ہے۔ اپنی زندگی کو تحصیل اور مسرت کی لذتوں سے محروم پاکر کم عقل بچے بداخلاقی اور خلاف معاشرہ مشاغل کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں۔ چنانچہ اُن کے اس غیر معقول فکر و عمل سے اُن کا خاندان اور سارا معاشرہ طرح طرح کے نقصان اٹھاتا ہے۔

سترھواں باب

مضطرب بچّے

جذباتی طور پر مضطرب رہنے والے بچّے غیر معمولی بچّوں کی ایک ایسی قسم ہے جو اساتذہ اور والدین کے لئے بے حد پریشانی کا باعث بنتی ہے ۔ مدرسہ میں ان کا کردار ہمجولیوں کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے ۔ گھر اور محلہ میں سب لوگ ان سے نالاں رہتے ہیں ۔ مضطرب بچّے حد درجہ ضدّی ، گرم مزاج ، غصیلے اور جھگڑالو ہوتے ہیں ۔ اگر ایسے بچّوں کے لئے خصوصی تعلیم و تربیت کا اہتمام نہ کیا جائے تو اس بات کا خدشہ ہے کہ اُن کا جذباتی اضطراب انھیں خلافِ معاشرہ حرکات اور مجرمانہ مشاغل کی طرف مائل نہ کردے ۔

جذباتی اضطراب کے اسباب

جذباتی اضطراب کے لئے متعدد اسباب ذمّہ دار ہیں ۔ معلّم اور والدین کے لئے ان تمام اسباب کا جاننا بہت ضروری ہے ۔ ان اسباب کے علم سے مضطرب بچّوں کی خصوصی تعلیم و تربیت اور خصوصی رہنمائی اور علاج کا کام بہت آسان

ہو جاتا ہے۔ جذباتی اضطراب کے چند اہم اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ جسمانی عناصر
۲۔ ذہنی عناصر
۳۔ عمرانی عناصر
۴۔ معاشرتی عناصر
۵۔ ماحولی عناصر
۶۔ اقتصادی عناصر

۱۔ جسمانی عناصر:۔ چند جسمانی حالتیں اور کیفیات جذباتی توازن کو درہم برہم کرنے کا سبب بن جاتی ہیں۔ مثلاً غدودں میں نقص یا تغیر جذباتی اضطراب کی عام وجہ ہے۔ اس کے علاوہ جسمانی بیماری غذائی کمی، مسلسل جسمانی مشقت وغیرہ کا اثر بھی غصہ، لڑائی، جھگڑے ہاتھا پائی اور طرح طرح کے دیگر اشتعال انگیز جذباتی معرکوں کی صورت میں نمودار ہو سکتا ہے۔

۲ ذہنی عناصر:۔ بسا اوقات خاص ذہنی عناصر جذباتی اضطراب اور اشتعال پیدا کر دیتے ہیں۔ خیالات، رجحانات۔ تعصبات، پسند اور ناپسند کے معاملے میں کامیابی اور ناکامی کی صورتوں میں ذہنی ردِ عمل اور متعدد قسم کے متفرق ذہنی عناصر جذباتی زندگی میں کھلبلی پیدا کر سکتے ہیں۔

۳۔ عمرانی عناصر:۔ ناسازگار خاندانی حالات بھی جذباتی

اضطراب پیدا کرنے کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔ ایسے والدین جو اقتصادی اور جذباتی پریشانیوں کا شکار رہتے ہوں۔ عموماً بچوں کی جذباتی صحت بھی برباد کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بے انتہا مفلس اور جھگڑالو والدین اور ویران گھروں کے بچے عام طور پر مضطرب ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ایسے گھرانے جہاں والدین جذباتی صحت اور توازن کی نعمتوں سے مالا مال ہوں، اپنے بچوں کو جذباتی اضطراب کے خطروں سے محفوظ رکھنے میں عموماً کامیاب رہتے ہیں۔

۴۔ معاشرتی عناصر: بچے کے گرد و پیش کے معاشرتی حالات بھی اس کا جذباتی توازن بگاڑ سکتے ہیں۔ اگر بچے کے گھر، گلی اور مدرسہ کے اکثر لوگ لڑائی جھگڑوں فسادوں وغیرہ میں الجھے رہتے ہوں تو بچے کے جذباتی اضطراب میں مبتلا ہو جانے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

۵۔ ماحولی عناصر:۔ خالص ماحولی عناصر بھی جذباتی صحت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ گندے اور تنگ و تاریک محلے، تعفن آمیز گلیاں اور مکھیوں سے بھرپور چھوٹے چھوٹے مکان۔ حتیٰ کہ ناسازگار موسم اور غیر مناسب آب و ہوا وغیرہ بھی جذبوں میں اضطراب اور اشتعال پیدا کر سکتے ہیں۔

۶۔ اقتصادی عناصر:۔ ہم جذباتی طور پر مشتعل شخص کو عموماً "بھوکے ننگے" فرد سے تشبیہ دیتے ہیں۔ حد درجہ افلاس، احتیاج

اور بنیادی مادی خواہشوں کا مسلسل کشت وخون بھی جذباتی عدم توازن کا عام سبب ہے۔

اس امر کا خیال رہے کہ جذباتی اضطراب کسی ایک ہی عنصر سے شاذ ہی پیدا ہوتا ہے۔ عموماً کئی ایک عناصر اکٹھے مل کر جذباتی صحت اور توازن کی تباہی کے سامان پیدا کرتے ہیں۔

جذباتی اضطراب کے چند مظاہرے

جذباتی اضطراب زندگی کے تقریباً ہر شعبے میں اپنے گل کھلاتا ہے۔ جذباتی اضطراب اور عدم توازن کو مندرجہ ذیل صورتوں میں بہت نمایاں طور پر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ عدم طمانیت

۲۔ تشدّد

۳۔ جرائم پسندی

عدم طمانیت اور جذباتی اضطراب:۔ بچّوں کی مناسب جذباتی نشوونما کے لئے ان میں مسرّت اور طمانیت کا موجود ہونا بہت ضروری ہے۔ ایسے بچّے جو غیر معمولی طور پر عدم طمانیت کا اظہار کرتے ہیں، اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ ان کی جذباتی زندگی میں عدم توازن اور اضطراب رونما ہو چکا ہے عدم طمانیت محسوس کرنے والے بچوں کی چند نشانیاں یہ ہیں:۔

ہر ایک پر غیر معمولی شک و شبہ کرنا، ہمجولیوں، اساتذہ اور گھر کے افراد سے مطابقت پیدا کرنے میں دقت محسوس کرنا، اپنے آپ کو مستقل طور پر بدقسمت اور قابلِ رحم تصور کرتے رہنا، دوسروں کو خوش نصیب سمجھنا اور ان سے بے وجہ حسد محسوس کرنا، اندر ہی اندر کڑھتے رہنا وغیرہ وغیرہ۔

عدم طمانیت کے لئے بے شمار اسباب ذمّہ دار ہیں۔ چند ایک اہم اسباب یہ ہیں:۔

گھریلو زندگی میں جذباتی عدم توازن، سوتیلے یا مفلس والدین پرورش کے بارے میں والدین کا تغافل شعار ہونا، یتامت وغیرہ

عدم طمانیت کے شکار بچّوں کے تمام حالات کا جائزہ لے کر ان میں کسی نہ کسی طرح حوصلہ، ہمّت، اُمید اور مسرّت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس سے اُن میں طمانیت اور توازن پیدا ہونے کے امکان بڑھتے ہیں اور ان کے جذباتی اضطراب میں کمی واقع ہوتی ہے۔

تشدّد اور جذباتی اضطراب:۔ تھوڑا بہت تشدّد تو ہر فرد کی نشوونما اور معاشرتی صحت کے لئے ضروری ہے۔ مگر تشدّد کی طرف غیر معمولی رغبت، جذباتی اضطراب کی واضح علامت ہے۔ ایسے بچّے جو گھر کے لوگوں، محلّہ کے بچّوں اور مدرسہ کے ہمجولیوں سے ہر وقت اُلجھتے رہتے ہوں، اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ

اُن کی جذباتی زندگی توازن اور صحت کی نعمتوں سے یکسر محروم ہے۔
تشدّد آمیز کردار مختلف اسباب کی بناپر واقع ہوسکتا ہے
چند نمایاں اسباب یہ ہیں:۔

احساس محرومیّت، عدم طمانیت، جسمانی یا ذہنی نقص جو خواہ حقیقی ہو یا محض تخیلی، والدین کی اپنی تشدّد آمیز طبع، مدرسہ اور گھر کی غیر مناسب جذباتی تربیت، تشدّد پسند معاشرتی ماحول وغیرہ۔

تشدّد پسند بچّوں کے لئے معاشرتی سرگرمیاں، گروہی کھیل، سیر و تفریح وغیرہ علاج کے بہترین طریقے ثابت ہوئے ہیں۔ بسا اوقات مُکّہ بازی کا کھیل ایسے بچّوں کو تشدّد کے اظہار کا جائز ذریعہ مہیا کر کے جذباتی اضطراب کو کم یا ختم کرنے میں بہت کامیاب ثابت ہوتا ہے۔

جرائم پسندی اور جذباتی اضطراب:۔ جذباتی اضطراب کا ایک عام مظاہرہ خلافِ معاشرت کردار اور مجرمانہ حرکات ہیں۔
چھوٹی عمر میں جرائم پسندی کے لئے متعدّد اسباب ذمہ دار ہیں۔
مثال کے طور پر ناسازگار گھریلو حالات، جرائم پسند یا غفلت شعار والدین، غیر مناسب محلہ اور بُرے ساتھی، مدرسہ کی تعلیم میں عدم دلچسپی، پھسڈی پن، بھگوڑا پن، جذباتی تلوّن، جسمانی خرابیاں وغیرہ بچّوں کو جرائم کی طرف پھسلانے میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔

بچّوں کے جرائم کے اصل اسباب کا جائزہ لے کر ان کے علاج

کے لئے مناسب اور موثّر اقدام تجویز کرنے چاہئیں۔ مجرم بچّوں کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دینا، عدالت میں جُرمانہ یا سزا دے کر بورسٹل میں مقید کر دینا کوئی قرینِ مصلحت عمل نہیں ہے۔ اس طرح مجرم بچّوں کی اصلاح اور علاج کا کام مزید مشکل ہو جاتا ہے۔ مُجرم بچّوں کے خلافِ معاشرہ مشاغل کا اس طرح انتقام لینے کی بجائے ان کے کردار کو اچھّی طرح سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے اگر اسباب کی سمجھ بوجھ کی بنا پر مُجرم بچّوں کی نفسیاتی رہنمائی اور علاج کا معقول اہتمام کیا جائے تو ان میں جذباتی اور معاشرتی توازن پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ان میں بہتر فکر و عمل کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور وہ ہونہار بچّے بننے اور معاشرہ کے صحت مند اور کار آمد شہری ثابت ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

مُضطرب بچّوں کی رہنمائی اور علاج

مضطرب بچّوں سے غفلت برتنا سنگین ترین معاشرتی گناہ ہے۔ مضطرب بچّے بڑے ہو کر اپنی ذات، اپنے خاندان، سارے معاشرہ، بلکہ بسا اوقات ساری دنیا کے لئے باعث زحمت بن جاتے ہیں۔ چنگیز، ہلاکو اور ہٹلر کے سوانح اس سلسلہ میں مشعل راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ مضطرب بچّوں کے لئے شروع بچپن ہی میں نفسیاتی رہنمائی اور مناسب علاج کا اہتمام کرنا چاہیے۔ تاکہ ان کی

تکلیف بڑھنے اور خطرناک صورت اختیار کرنے سے بروقت رُک جائے۔

جذباتی اضطراب کے علاج کے چند عمومی طریقے بچوں کی جذباتی نشوونما کے باب میں وضاحت سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اساتذہ اور والدین کو ان تمام طریقوں سے حتی الوسع استفادہ کرنا چاہیئے بچوں کی جذباتی تعلیم و تربیت کا ایک سنہرا اصول یہ ہے کہ اساتذہ اور والدین خود بھی اپنی جذباتی زندگی میں صحت اور توازن کے عناصر کا ہر وقت خیال رکھیں۔ اگر ان کی اپنی جذباتی زندگی، خلش، اضطراب، محرومیت، تلخ کلامی، لڑائی جھگڑوں اور طرح طرح کی بدمزگیوں سے پاک ہو تو بچے کی جذباتی زندگی میں صحت اور توازن کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں۔ کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ بچے کو گھر اور مدرسہ میں ایک ایسی خوشگوار جذباتی فضا میسر آئے جس کے ہر پہلو میں مسّرت، شادمانی، توازن اور مطابقت کا دَور دَورہ ہو۔

اٹھارھواں باب

معذور بچّے

معذور بچہ غیر معمولی بچّوں کی ایک ایسی قسم ہے جو اپنے کسی نمایاں جسمانی نقص کی وجہ سے تعلیمی، جذباتی اور معاشرتی مطابقت میں دقّت محسوس کرتی ہے۔ جسمانی نقص موروثی بھی ہو سکتا ہے اور کسی بیماری یا حادثہ کی وجہ سے بھی۔

معذور بچّوں کی اقسام

معذور بچّوں کی چند چیدہ چیدہ اقسام مندرجہ ذیل ہیں:-

۱۔ لُولے، لنگڑے بچّے
۲۔ اندھے اور ناقص بینائی والے بچّے
۳۔ بہرے اور ناقص سماعت والے بچّے
۴۔ گونگے اور ناقص نطق والے بچّے

یہ بدنصیب بچّے اپنے آپ کو دوسروں سے مختلف اور ادنیٰ پاکر عموماً احساسِ کمتری اور محرومیّت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ احساسِ کمتری اور محرومیّت ان کی جسمانی اور ذہنی نشو و نما پر مزید ناگوار اثر ڈالتے ہیں جس سے معذور بچّوں کی زندگی میں طرح طرح کی مزید اُلجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس طرح

اکثر معذور بچّوں کے ذہنی اور معاشرتی بیماریوں میں مبتلا ہو جانے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔

ان بچّوں میں معاشرہ کی سائنسی دلچسپی اور ان کے مناسب اصلاح و علاج کے باضابطہ کام کا آغاز ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ معذور بچّوں کی طرف توجہ کے غیر سائنسی دور میں معاشرہ ان بچّوں سے محض ہمدردی کے اظہار اور ان کے کھانے پینے کے اہتمام کے سوا اور کچھ کرنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کیا کرتا تھا۔ عصر رواں کے اس سائنسی دور میں اب ان بچّوں کی خصوصی تعلیم و تربیت اور ان کی فلاح و بہبود کو وہی اہمیت دی جانے لگی ہے جو عام بچّوں کو دی جاتی ہے

لولے، لنگڑے یا اپاہج بچّے

لولا پن اور لنگڑا پن موروثی یا اکتسابی اسباب کی وجہ سے پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ جسمانی نقص پٹھے، جوڑوں اور ہڈیوں میں کسی نہ کسی خرابی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

اپنے جسمانی نقص کے علاوہ لولا، لنگڑا بچّہ عام بچّوں سے زیادہ مختلف نہیں ہوتا۔ اس لئے اُسے تعلیم و تربیت کی تمام عمومی سہولتیں میسر آنی چاہئیں۔ مگر ان بچّوں کی تعلیم میں ان کے جسمانی نقص کے عنصر کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

لُولے، لنگڑے بچّوں کے معیاری نظامِ تعلیم کی چند بنیادی خصوصیات درج ذیل ہیں:۔

ا۔ ان کی جسمانی حالت کے مطابق ایسے تعلیمی مشاغل کا اہتمام جن میں وہ آسانی سے شمولیت کر سکیں۔

ب۔ مناسب عملی اور فنّی تربیت

ج۔ جذباتی تربیت کا ایسا سلسلہ جو ان میں خود اعتمادی اور مسرّت پیدا کر کے اُن کے احساسِ کمتری کو دُور کرے۔

د۔ ایسی مناسب بدنی ورزشیں جو ان کی جسمانی حالت کو بہتر بنانے میں مؤثّر ثابت ہوں۔

ہ۔ موزوں طبّی اور جرّاحی علاج جس کے لئے مدرسہ یا شفاخانہ میں خصوصی اہتمام کیا گیا ہو۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی خصوصی تعلیم و تربیت عام مدرسوں میں نہیں ہو سکتی۔ اس لئے لُولے، لنگڑے بچّوں کے لئے علیحدہ تعلیمی ادارے کھولنے چاہئیں جن میں ان کی تعلیم اور دیکھ بھال کے لئے ایسے اساتذہ مامور ہوں جو اس قسم کے معذور بچّوں کی خصوصی تعلیم کے فن میں تربیت اور تجربہ یافتہ ہوں۔

اندھے اور ناقص بینائی والے بچے

اندھے اور ناقص بینائی والے بچّوں کو تعلیم و تربیت حاصل

کرنے اور معاشرے میں اپنا مقام پیدا کرنے میں جن دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ محتاجِ وضاحت نہیں ہیں۔ اندھا بچہّ اپنے آپ کو ایک مستقل اور بھیانک اندھیرے میں محبوس پاتا ہے۔ وہ زندگی کی اکثر نعمتوں اور بنیادی آسائشوں سے ابتدا ہی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ بینائی کا نقص بیماری یا حادثہ کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ بعض بدنصیب بچّے اسے وراثت میں بھی پاتے ہیں

اندھے بچّے کی شخصیت :- اندھاپن بچّے کے فکر و عمل پر ایک مخصوص طریقے سے اثر انداز ہوتا ہے۔ اندھے بچّے کی شخصیت کے چند نمایاں عناصر یہ ہیں:-

جسمانی حرکت اور معاشرتی ارتباط میں کمی۔ خود اعتمادی کا فقدان، احساسِ کمتری، غیر معمولی فکر و اضطراب، خواب بیداری وغیرہ۔

اندھے بچوں کی تعلیم و تربیت :- اندھے بچّوں کو اپنے ان حواس کو استعمال کرنے کی تربیت دی جاتی ہے جو نقص کی زد سے محفوظ ہوں۔ مثلاً سماع، نطق، مس وغیرہ۔ اندھوں کی خصوصی تعلیم کے لئے لوئیس بریل نے چند تعلیمی آلات ایجاد کئے ہیں جن کو بریل سامان کہتے ہیں۔ بریل نظامِ تعلیم کی مدد سے اندھے بچّوں کو لکھائی پڑھائی، حساب، جغرافیہ اور مدرسہ کے متعدد دیگر مضامین میں تسلی بخش تعلیم دی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ بریل ٹائپ مشین کی مدد سے انھیں ٹائپ وغیرہ کا کام بھی سکھایا جا سکتا ہے۔

اندھے بچّوں میں بے حرکت پڑے رہنے کا رجحان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے مدرسہ میں ان کی جسمانی نشو ونما کے لئے ہلکی پھلکی بدنی ورزشوں کا اہتمام بھی ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ تفریحی مشاغل، موسیقی، سیر و تفریح، کھیل کود وغیرہ کی تربیت ان بچوں میں مسرّت اور خود اعتمادی کا باعث بنتی ہے اور انھیں یہ بات بھول جانے میں بہت مدد دیتی ہے کہ قدرت نے ان کے ساتھ ایک بنیادی بے انصافی کرکے انھیں زندگی کی بیشتر نعمتوں سے بلا وجہ محروم کر دیا ہے۔

اندھے بچّوں کی تعلیم کے لئے خصوصی اداروں کا اہتمام ہونا چاہیئے جس میں ایسے اساتذہ تعلیم پر مامور ہوں جو اندھوں کی نفسیات، بریل نظامِ تعلیم اور خصوصی تعلیم کے مسائل پر کافی عبور رکھتے ہوں۔

ناقص البصر بچّے:۔ ناقص بینائی والے بچّوں کو عام مدرسوں میں رکھا جاسکتا ہے مگر اس صورت میں معلّم کو ان کی طرف غیر معمولی توجہ اور شفقت کا ہر لحظہ خیال رکھنا چاہیے۔ ایسے بچّوں کو اپنی بینائی میں نقص سے متعلق زیادہ احساس نہیں دلانا چاہیے مناسب تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ طبّی اور نفسیاتی طریقوں سے اُن کی بینائی کے نقص کو رفع کرنے کی کوشش کا سلسلہ بھی جاری رکھنا چاہیئے۔

بہرے اور ناقص سماعت والے بچّے

بہراپن یا نقصِ سماعت موروثی، جسمانی یا ماحولی عناصر کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ اس قسم کا معذور بچّہ زبان سیکھنے اور تعلّم کے باقی پہلوؤں میں غیر معمولی دقتیں محسوس کرتا ہے۔ دوسروں کی باتیں سننے اور سمجھنے کی نااہلیت کی وجہ سے اس میں معاشرتی مطابقت کے امکان بہت کم رہ جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے ایسے بچّوں کا خلاف معاشرہ اور مجرمانہ مشاغل اختیار کرنے کا بہت سخت خدشہ ہوتا ہے۔

بہرے اور ناقص السماعت بچّوں کی تعلیم و تربیت:۔
بہرے اور ناقص سماعت والے بچّوں کی خصوصی تعلیم کے لئے چند سائنسی آلات ایجاد کئے گئے ہیں جنہیں صوتی الات کہتے ہیں۔ یہ آلات معذور بچّوں کے کان پر لگا دینے سے ان کی سمعی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ اس سے انھیں تحصیلِ علم میں کافی آسانی رہتی ہے درسی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان بچّوں کو مناسب فنّی تربیت بھی دینی چاہیئے۔ مختلف قسم کے فنون میں عملی تربیت ان بچّوں کے لئے ذہنی اقتصادی اور معاشرتی اعتبار سے بہت مفید ثابت ہوتی ہے۔ اُن کی مسرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور وہ برسرِ روزگار ہو کر معاشرہ کے لئے اقتصادی بوجھ نہیں بنے رہتے۔

اس قسم کے معذور بچوّں کی مناسب تعلیم و تربیت اُن کے لئے مخصوص اداروں ہی میں ہو سکتی ہے ان مخصوص تعلیمی اداروں کے اساتذہ کے لئے کان کی بناوٹ اور عمل، صوتی آلاتِ تعلیم کا استعمال، گونگے بچّوں کی نفسیات اور ان کی تدریس کے خصوصی طریقوں سے اچھی طرح واقف ہونا بہت ضروری ہے۔

سماعت کے معمولی نقائص والے بچّوں کو عام مدرسوں میں تعلیم دی جا سکتی ہے۔ ایسے بچّوں کو جماعت کی اگلی نشستوں پر بٹھانا چاہیئے۔ معلّم کو اس امر کا خصوصی خیال رکھنا چاہیئے کہ ناقص السماعت بچّے اس کی ہر بات کو اچھی طرح سن کر سمجھ سکیں

گونگے اور ناقص نطق والے بچّے

زبان کسی فرد کے تمدّنی اور معاشرتی سلیقہ کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ گونگے اور ناقص نطق والے بچّوں کو اپنی اس جسمانی معذوری کی وجہ سے طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کے گفتگو کے غیر معمولی انداز پر اُن کے ساتھی اُن کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ جس سے ان کی لسانی اور ذہنی مشکلوں میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ جسمانی نقائص کی طرح اس نقص کے بھی متعدد اسباب ہو سکتے ہیں۔

تتلاہٹ اور ہکلاپن :۔ اس قسم کے معذور بچّوں

کا عام نقص تتلاہٹ اور ہکلاپن ہوتا ہے۔ توتلے اور ہکلے بچوں کے علاج کے لئے مندرجہ ذیل اقدام بہت موثر ثابت ہوتے ہیں:-

ا۔ ماہرین نطق کا مشورہ
ب۔ سازگار معاشرتی ماحول
ج۔ جذباتی بوجھ سے نجات
د۔ مطابقت کی تربیت

ماہرین نطق کا مشورہ :- کسی بچے میں تتلاہٹ اور ہکلاپن کے نمودار ہوتے ہی اُسے کسی ایسے ماہر نطق کے پاس مشورہ اور علاج کے لئے جانا چاہیے جسے ایسے بچوں کے عوارض کی تشخیص اور علاج کا کافی تجربہ ہو۔

سازگار معاشرتی ماحول :- حتی الوسع کوشش کرنی چاہیئے کہ ایسے بچے اپنا زیادہ وقت ایسے خوشگوار ماحول میں بسر کرسکیں جہاں ان کے نطقی نقص کا مذاق نہ اڑایا جاتا ہو۔

جذباتی بوجھ سے نجات :- اکثر اوقات ایسے نقائص جذباتی بوجھ، اضطراب، کشیدگی، تناؤ، کھنچاؤ وغیرہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے بچوں کو اس قسم کے ناگوار جذباتی بوجھ سے نجات دلانے سے ان کی بیشتر تکالیف کا علاج ہوجاتا ہے۔

مطابقت کی تربیت :- توتلے اور ہکلے بچوں کو اپنا نقص سمجھنے اور اپنی جذباتی اور معاشرتی زندگی میں مطابقت اور توازن

پیدا کرنے کی تربیت بھی بہت مدد دیتی ہے۔

گونگے اور ناقص النطق بچوں کی تعلیم و تربیت

گونگے اور تمام اقسام کے ناقص نطق والے بچوں کی خصوصی تعلیم و تربیت میں مندرجہ ذیل اصول بہت معاون ثابت ہو سکتے ہیں:۔

۱۔ اصلاح کا شوق

۲۔ احساسِ نطق کا مداوا۔

۳۔ محتاط تشخیص

۴۔ موزوں نطقی مشقیں

۵۔ تشویش اور اضطراب سے بچاؤ۔

۶۔ تعلیمی ادارے کا مسئلہ

۷۔ تربیتِ اساتذہ

۱۔ اصلاح کا شوق:۔ معلم اور والدین کو چاہیئے کہ وہ ہر ممکن کوشش سے بچے کے دل میں اپنے نقص کی اصلاح اور علاج کا حقیقی شوق پیدا کریں۔

۲۔ احساسِ نقص کا مداوا:۔ تعلیم و تربیت کے دوران میں ان کے نقص کو بے جا اہمیت دینا یا اس کا بار بار ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس سے بچوں میں احساس نقص راسخ ہو جاتا ہے۔

۳۔ محتاط تشخیص:۔ گونگا پن اور نطقی نقص جسمانی یا ذہنی

یا ملے جلے وجوہ سے ہو سکتا ہے۔ ایسے بچّوں کی سائنسی تعلیم و تربیت کے لئے ضروری ہے کہ ان کے نقص کی تشخیص نہایت احتیاط اور فراست سے کی جائے تاکہ اصلاح اور علاج کے اقدام کی بنا غلط نہ ہو۔

۴۔ موزوں نطقی مشقیں:۔ مختلف نطقی نقائص کے لئے مختلف قسم کی نطقی مشقیں وضع کی گئی ہیں۔ ہر بچّے کے مخصوص نقص کا مطالعہ کر کے اس کے نقص کے لئے مناسب نطقی مشقوں کا انتخاب کرنا چاہیئے۔ بچّے کو یہ مشقیں بار بار کرنے کے لئے نہایت خوشگوار انداز میں ترغیب دینی چاہیئے

۵۔ تشویش اور اضطراب سے بچاؤ:۔ گھر اور مدرسہ میں اس قسم کے بچّوں کی تعلیم و تربیت کا ماحول تشویش اور اضطراب کے عناصر سے یکسر مبرّا ہونا چاہیے۔ ان پر پھبتیاں کسنے کی بجائے انھیں ایسے خوشگوار ماحول میں رکھنا چاہیئے جس سے ان کی مسرّت میں اضافہ ہو اور ان میں خوداعتمادی اور اپنی اصلاح کا یقین اجاگر ہو

۶۔ تعلیمی ادارے کا مسئلہ:۔ چھوٹے چھوٹے نطقی نقص والے بچّوں کو عام مدارس میں عام بچّوں کے ساتھ رکھ کر تعلیم دی جاسکتی ہے۔ غیر معمولی نطقی نقائص والے بچّوں کو عام بچّوں والے مدرسوں میں علیحدہ فریقوں میں رکھ کر خصوصی تعلیم دینا زیادہ موزوں

رہتا ہے۔ گونگے بچوں کے لئے تو حتمی طور پر بالکل علیحدہ تعلیمی ادارے ہونے چاہئیں۔

۷۔ تربیتِ اساتذہ:۔ ان خصوصی اداروں کے معلّمین کے لئے گونگے بچوں کی خصوصی تعلیم کے فن میں تربیت یافتہ ہونا لازمی ہے۔ ایسے اساتذہ کے تربیتی نظام میں مندرجہ ذیل عناصر کی خصوصی شمولیت ضروری ہے:۔

ا۔ نطقی بیماریوں اور نقائص کی اصلاح کے طریقوں کا علم۔

ب۔ زبان کی جسمانی بیماریوں کے علاج سے واقفیت۔

ج۔ نطق کی نفسیات کا علم۔ د۔ صوتیات کا علم

ہ۔ ہر قسم کے نطقی نقص کے لئے خصوصی صوتی مشقوں کا علم

اس فنی تربیت کے علاوہ گونگے بچوں کے معلّم میں دیگر محاسن کا ہونا بھی بہت ممد ثابت ہوتا ہے۔ اساتذہ کے چند ایک اوصاف جو گونگے بچوں کے حق میں مفید ثابت ہوتے ہیں یہ ہیں:۔

صبر و تحمّل کا جذبہ، پُر سکون طبیعت، بذلہ سنجی، تخلیقی صلاحیت۔ خوش مزاجی، جذباتی توازن، معذور بچوں سے طبعی لگاؤ اور خصوصی تعلیم کو بطور فن اختیار کرنے کا فطری رُجحان۔

معذور بچّوں کی خصوصی تعلیم کی اہمیت

کمسن بچّے کے جسمانی طور پر معذور ہونے کی وجہ سے اس کی

تعلیم وتربیت سے غفلت برتنا سفّاکی کی انتہا ہے ۔ معذور بچّوں سے غفلت برت کر معاشرہ بے حد مالی اور ذہنی نقصان اٹھاتا ہے مناسب تعلیم وتربیت سے محروم رہ کر معذور بچّے یا تو معاشرے پر اقتصادی بوجھ بن کر پڑے رہتے ہیں ۔ یا پھر خلاف معاشرہ اور مجرمانہ مشاغل کی طرف مائل ہو جاتے ہیں ۔ دونوں صورتوں میں معاشرہ اُن سے اپنی غفلت شعاری کی سخت سزا بھگتتا ہے ۔

ان تمام افسوس ناک نتائج کا تدارک اور انسانیت اور تعلیمی زاویۂ نگاہ سے معذور بچّوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کا اہتمام کسی جمہوری نظام تعلیم کا مقدّس ترین فریضہ ہونا چاہیے ۔ اس فریضہ کو بہتر طریق سے سر انجام دینے کے لئے معذور بچّوں کے لئے خصوصی ادارے کھولنے چاہئیں ۔ ان کی خصوصی تعلیم کے لئے تربیت اساتذہ کا اہتمام ہونا چاہیئے اور اس تعلیم کے نشیب وفراز پر عبور حاصل کرنے کے لئے نفسیاتی تحقیقات کا سلسلہ شروع ہونا چاہیئے ۔

حصّہ پنجم

امتحان اور آزمائشیں

- ★ امتحان
- ★★ امتحان کے جدید طریقے
- ★★★ ذہانت کی آزمائشیں

اُنیسواں باب

امتحان

بچّہ جب تھوڑا بہت علم حاصل کر لیتا ہے تو اساتذہ کو یہ بات دریافت کرنے کی خواہش ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس بات پتہ لگایا جائے کہ بچّہ نے کیا کچھ سیکھا ہے ۔ یہ بات معلوم کرنے کے طریقہ کا نام امتحان ہے ۔

بچّوں کا مُشاہدہ اور مطالعہ

بچّوں کے کردار کا مُشاہدہ اور مطالعہ بھی ایک قسم کا امتحان ہے ۔ اس سے ان کے تحصیلِ علم کی نوعیت اور مقدار کا کافی اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔

معلّم تعلیمی مشاغل میں طلبہ کی دلچسپی ، ان کی تحریر و تقریر وغیرہ کے مشاہدہ سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بچّے اس کے درس و تدریس سے کسی حد تک فائدہ اٹھا رہے ہیں ۔ اسی مُشاہدہ کو ایک باضابطہ صورت دے دی جائے تو یہ باقاعدہ مطالعہ کی شکل اختیار کر جاتا ہے ۔ اس صُورت میں معلّم کو بچّوں کے ریکارڈ وغیرہ رکھنے پڑتے ہیں ۔ مختلف مضامین میں تحصیل کے لئے مختلف ریکارڈ درکار ہیں ۔ ایک ہی ریکارڈ

پر سب کچھ درج کر دینے کی بجائے حساب، انگریزی، جغرافیہ، معاشرتی علوم وغیرہ کا علیحدہ علیحدہ ریکارڈ رکھنا زیادہ مناسب رہتا ہے۔ مختلف مضامین پڑھانے والے اساتذہ مختلف ریکارڈوں میں طالب علم سے متعلق اپنے مطالعہ کا نچوڑ درج کر دیتے ہیں۔ ایسے ریکارڈوں پر سرسری نظر ڈالنے سے بچے کی تعلیمی زندگی اور تحصیل سے متعلق کافی اندازہ ہو جاتا ہے۔

تحریری امتحان کا طریقہ

بچے کی تعلیمی تحصیل کا اندازہ لگانے کا قدرے زیادہ منظم اور باضابطہ طریق تحریری امتحان ہے۔ بچے کی تحصیل کی آزمائش کا تمام تر دارومدار مختلف اساتذہ کے ذاتی مشاہدوں اور مطالعوں پر رکھنا کوئی سائنسی طریقہ معلوم نہیں ہوتا۔ امتحان کا طریق اسی لیے ایجاد ہوا تھا تاکہ کسی باقاعدہ معیار کو سامنے رکھ کر طلبہ کی تعلیمی قابلیتوں کا اندازہ ہو سکے اور دوسرے طلبہ سے ان کا مقابلہ اور موازنہ کیا جا سکے۔

امتحان لینے کا طریقہ بہت پرانا ہے۔ اساتذہ اسے نامعلوم وقتوں سے استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔ امتحان کی غرض و غایت یہ ہے کہ طلبہ کو ان کی تعلیمی تحصیل کی مقدار اور نوعیت سے متعلق صحیح اطلاع دے کر انھیں مزید تحصیل اور ترقی کے لئے رغبت

دلائی جائے۔ اس کے علاوہ اس سے اساتذہ کو بھی یہ علم ہو جاتا ہے کہ ان کا طریقِ تدریس کہاں تک کامیاب رہا ہے۔ اس طرح ان میں درس و تدریس کے طریقوں میں اصلاح اور ترمیم کرنے کی رغبت اور صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

مضمون کی قسم کا امتحان

امتحان کے متعدد طریقے وضع کئے گئے ہیں۔ ہمارے ہاں جس قسم کے امتحان کا طریقہ رائج ہے اسے مضمون قسم کا امتحان کہتے ہیں۔ یہ امتحان کا سب سے پرانا طریقہ ہے۔ اس طریقہ کے مطابق طلبہ کو چند سوال دے دیئے جاتے ہیں اور انہیں مضمونوں کی صورت میں ان کے لمبے لمبے جواب لکھنے کو کہا جاتا ہے۔

مضمون کے لئے سوالوں کے علیحدہ علیحدہ پرچے مرتب کئے جاتے ہیں۔ ممتحن طلبہ کے جوابوں کا مطالعہ کر کے انہیں موزوں نمبر دے دیتا ہے۔ ان حاصل کردہ نمبروں کی بنا پر مختلف مضامین میں طلبہ کی تعلیمی تحصیل کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور اس اندازے کی روشنی میں ان کے لئے مزید تعلیمی مشاغل ترقی حوصلہ افزائی وغیرہ کے معاملوں کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

مضمون قسم کے امتحان کی خوبیاں

مضمون قسم کے امتحانوں کے چند فوائد درج ذیل ہیں :-

۱۔ تحریری مشق ۲۔ تحصیل علم کا باقاعدہ اندازہ

۳۔ مزید تحصیل کی رغبت

تحریری مشق :- مضمون قسم کا امتحان سوالوں کے پرچہ میں طلبہ کو مختلف مضامین کے مختلف پہلوؤں کی توضیح اور تشریح

سے متعلق باتیں پوچھتا ہے ۔ جوابات لکھتے وقت طلبہ کو تحریر کی کافی مشق ہو جاتی ہے ۔

تحصیل علم کا باقاعدہ اندازہ : تحریری جوابوں کی بنا پر طلبہ کے تحصیل علم کا باقاعدہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ اس اعتبار سے مضمون قسم کا امتحان ان مضامین میں طلبہ کی تعلیمی قابلیت جانچنے کے لئے خصوصی طور پر مفید ثابت ہوتا ہے جن میں کسی اور طریق امتحان کے استعمال سے قابلیت کا باقاعدہ اندازہ لگانا ممکن نہ ہو ۔ مثلاً زبان تاریخ، جمالیاتی قابلیت وغیرہ میں امتحان کے لئے جواب مضمون قسم کا امتحان بہت کامیاب رہتا ہے ۔

مزید تحصیل کی رغبت : ۔ اس قسم کے امتحان طلبہ کو تحصیل علم کے لئے مزید رغبت دلاتے ہیں ۔ امتحان سے پہلے طلبہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ محنت کر کے اچھے نمبروں سے پاس ہوں ۔ ایک امتحان کے بعد ان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اگلے امتحان میں پہلے کی نسبت مزید کامیابی حاصل کریں ۔ اس طرح مضمون قسم کا امتحان مزید تحصیل کی رغبت دلانے میں کافی کامیاب رہتا ہے ۔

مضمون قسم کے امتحان کی خامیاں

وہ ماہرین تعلیم جو اس طریق امتحان کی مخالفت کرتے ہیں

اس کے مندرجہ ذیل نقائص کی طرف توجّہ دلاتے ہیں:۔

۱۔ پرچۂ سوالات کا محدود دائرہ
۲۔ قیاس آرائی کی ترویج
۳۔ نمبر لگانے کا غیر سائنسی طریقہ
۴۔ غیر متعلقہ عناصر کا فائدہ
۵۔ رٹائی پر اہمیت۔
۶۔ تدریس کی املا کی صورت میں تبدیلی
۷۔ "کتاب زدہ" شخصیت کی تشکیل۔

پرچۂ سوالات کا محدود دائرہ :۔ ایک پرچہ میں عموماً زیادہ سے زیادہ دس سوال پوچھے جاتے ہیں۔ جن میں سے طلبہ کو تین گھنٹے کے اندر اندر تقریباً پانچ چھ کو حل کرنا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ممتحن سوالوں کے اس محدود دائرے میں کسی مضمون کے تمام پہلوؤں سے متعلق باتیں نہیں پوچھ سکتا۔ چنانچہ نتیجہ کے طور پر پرچہ مرتب کرتے وقت اسے مضمون کا ایک خاصا حصّہ نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح پرچۂ سوالات کا دائرہ لازماً بہت محدود ہو جاتا ہے۔

قیاس آرائی کی ترویج :۔ ہمارا طریقِ امتحان قیاس آرائی کے رجحان کو ترویج دیتا ہے۔ امتحانوں سے پہلے طلبہ سوالوں کے پرچے سے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیاں شروع کر دیتے

ہیں۔ بعض تاجرانِ کتب "گیس پیپر" کی اشاعت اور تجارت شروع کر دیتے ہیں جن میں "سو فیصدی کامیابی" کا یقین دلایا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اکثر طلبہ کتابوں اور جماعت کے تعلیمی مشاغل کی طرف دھیان دینے کی بجائے قیاس آرائیوں اور گیس پیپروں کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔

نمبر لگانے کا غیر سائنسی طریقہ :۔ مضمون قسم کے امتحان کا عام نقص جوابوں کے پرچوں پر نمبر لگانے کا غیر سائنسی طریقہ ہے۔ اگر کسی امیدوار کا پرچہ مختلف ممتحنوں کے پاس بھیجا جائے تو ان کے دیئے ہوئے نمبروں میں عظیم اختلافات کا ہونا عین طبعی امر ہے۔ اس کے علاوہ ایک ہی پرچے میں مختلف اوقات میں مختلف نمبر دینے پر بھی مائل ہو سکتا ہے۔

غیر متعلقہ عناصر کا فائدہ :۔ عیّار طلبہ عموماً اپنے جوابوں کو اس عمدگی سے ترتیب دیتے ہیں کہ ممتحن دھوکہ میں آکر انہیں غیر متعلقہ کے لئے بھی نمبر دے دیتے ہیں۔ اس قسم کے چند غیر متعلق عناصر جن کا نفس مضمون۔ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور جو ممتحن کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ خوشخطی ب۔ جوابوں کی دیدہ زیب وغیرہ۔

ج۔ ایسی عمدہ اور دلچسپ زبان جس میں نفس مضمون سے متعلقہ باتوں کے علاوہ اور سب کچھ موجود ہو۔

رٹائی پر اہمیت:- یہ حقیقت وضاحت طلب نہیں ہے کہ امتحان کا یہ طریقہ رٹائی اور گھوٹا بازی کو فروغ دیتا ہے نفس مضمون کو سمجھنے اور اس پر تخلیقی طریق سے غور و فکر کرنے کی بجائے طلبہ مواد کو طوطے کی طرح رٹ لیتے ہیں۔ جوابوں کے پرچہ میں اسے من وعن بیان کر کے وہ اچھے خاصے نمبروں کے حق دار بن بیٹھتے ہیں۔

تدریس کی املا کی صورت میں تبدیلی: اس طریق امتحان کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ اساتذہ جماعتوں میں "نوٹ" لکھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ طلبہ ان نوٹوں کا گھوٹا لگا کر امتحان میں انھیں حرف بحرف لکھ دیتے ہیں۔ ممتحن طلبہ کی اس "اعلیٰ قابلیت" اور "بے نظیر" حافظہ پر انھیں اعلیٰ نمبر دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں طلبہ کو امتحان کی مناسب تیاری کرانے کے لئے معلم کو بھی اپنے درس و تدریس کو انہی سانچوں پر ڈھالنا پڑتا ہے۔ چنانچہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جماعت میں معلم ایسے دکھائی دیتا ہے جیسے کوئی مصروف افسر نوعمر سٹینو گرافروں کے ایک گروہ کو املا دینے میں مصروف ہو۔

"کتاب زدہ شخصیت" کی تشکیل:- ان سب باتوں کا مجموعی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طلبہ میں ایک ایسی شخصیت کی داغ بیل پڑتی ہے جس کے اعصاب پر کتاب سوار ہوتی ہے۔ اُسے علم کو تخلیقی طریق سے حاصل کرنے کے شوق کی بجائے کتابوں

اور نوٹوں کو رٹنے اور امتحان میں اُس رٹے ہوئے مواد کو بعینہٖ اُگلنے کا جنون ہوتا ہے۔ اقبال نے اس قسم کے طالب علم سے خطاب کرتے ہوئے کیا خُوب کہا ہے ؎

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں

اصلاح و ترمیم کے لئے تجاویز

جواب مضمون قسم کا امتحان طلبہ کی علمی قابلیتوں کا اندازہ لگانے کے لئے مجموعی طور پر بے انتہا غیر موزوں طریقہ ہے۔ اس طریق کی اصلاح و ترمیم کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز پر غور کیا جا سکتا ہے:۔

۱۔ پرچۂ سوالات کے دائرہ میں توسیع۔
۲۔ قیاس آرائی کا علاج۔
۳۔ نمبر لگانے کا سائنسی طریقہ
۴۔ غیر متعلقہ عناصر کی نظر اندازی
۵۔ ذہانت اور تخلیقی صلاحیتوں پر زور
۶۔ تخلیقی تدریس کی ضرورت
۷۔ امتحان کے جدید طریقوں کا استعمال

پرچہ سوالات کے دائرہ میں توسیع :۔ سوالوں کے پرچہ کے دائرہ میں توسیع ہونی چاہیئے۔ مثلاً چند ایک ایسے سوالات پُوچھنے کی بجائے جن کے جواب لمبے لمبے ہوں، متعدد اس قسم کے سوال پُوچھے جا سکتے ہیں جن کے جواب مختصر ہوں۔ اس طرح سوالوں کا پرچہ نصابی مضمون کے اکثر حصوں پر حاوی ہو کر کافی جامع ہو سکتا ہے۔

قیاس آرائی کا علاج :۔ بد قسمتی سے ہمارے طلبہ میں قیاس آرائی کا رُجحان روز بروز ترقی کرتا چلا جا رہا ہے۔ ممتحن سوالوں کے پرچہ میں جدت اور معلم درس و تدریس میں تخلیقی طریقوں سے کام لے کر اس علم دشمن رُجحان کا بہت حد تک قلع قمع کر سکتے ہیں۔ تعلیمی کمیشن کی سفارشات کے پیشِ نظر حکومت نے بھی اب "گیس پیپر" کی اشاعت اور تجارت کو قانوناً ممنوع قرار دے دیا ہے۔

نمبر لگانے کا سائنسی طریقہ :۔ پرچوں پر نمبر لگاتے وقت ممتحن کو اپنی رہنمائی کے لئے چند سائنسی معیار وضع کر لینے چاہئیں۔ پھر اُسے تمام پرچوں کو ان معیاروں کی روشنی، نہایت واقعیت پسندی سے جانچنا چاہیئے۔ نمبر لگانے کا طریق اسی طرح کافی سائنسی ہو سکتا ہے۔

ذہانت اور تخلیقی صلاحیتوں پر زور :۔ رٹے ہوئے جوابوں

کو بہت کم نمبر دینے چاہئیں۔ ایسے جوابوں کے لئے زیادہ نمبر دینے چاہئیں جن میں طلبہ کی ذہانت، اچھوتاپن، غور وفکر اور تخلیقی صلاحیتوں کی عکاسی ہوتی ہو۔

تخلیقی تدریس کی ضرورت:۔ اساتذہ کو چاہیئے کہ طلبہ کو نوٹ کی صورت املا لکھوانے کی بجائے درس و تدریس میں تخلیقی طریقوں کو بروئے کار لائیں۔ تعلیم چند جدید طریقے "تعلیم بذریعہ کھیل" کے باب میں بیان ہو چکے ہیں۔ ان طریقوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ نفس مضمون پر نوٹ لکھوانے کی بجائے اس کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرنا، اس میں طلبہ کی دلچسپی ابھارنا اور ان کو بحث و تمحیص پر آمادہ کرنا بھی تدریس میں تخلیقی طریقوں کے استعمال کے مترادف ہے۔ تخلیقی تدریس کے بل بوتے پر تخلیقی قسم کے ایسے امتحان ہو سکتے ہیں جن میں گھوٹے کی بجائے تخلیقی صلاحیت کو جانچا پرکھا جاتا ہو۔

امتحان کے جدید طریقوں کا استعمال:۔ امتحان کے جدید طریقوں کا استعمال بھی ہمارے نظام امتحان سے بوسیدگی اور جمود رفع کرنے میں کافی ممد ثابت ہو سکتا ہے۔ امتحان کے چند جدید طریقے درج ذیل ہیں:۔

ا۔ جدید قسم کا امتحان

ب۔ معیاری آزمائش

ان ہر دو طریقوں کا مفصل ذکر اگلے باب میں کر دیا گیا ہے۔

امتحانی تحقیقاتی کمیشن کی ضرورت

ہمارے طریق امتحان کی خامیاں اس قدر واضح اور غور طلب ہیں کہ ماہرین تعلیم کو اس سمت میں تجربوں اور تحقیقوں کا باقاعدہ سلسلہ شروع کر دینا چاہیے۔ تاکہ ہمارے مروّجہ طریق امتحان کا سائنسی جائزہ مرتب ہو سکے اور اس میں اصلاح و ترمیم کی کوئی باضابطہ صورت نکل سکے۔

اس سائنسی توجہ کے علاوہ امتحانوں سے متعلّق ایک مخصوص تحقیقاتی کمیشن کے تقرر کی بھی اشد ضرورت ہے۔ یہ امتحانی کمیشن مختلف قسم کے ماہرین تعلیم اور ماہرین نفسیات پر مشتمل ہونا چاہیئے۔ مجوّزہ کمیشن اس بات کا پتہ لگائے کہ امتحانوں کا موجودہ نظام کس حد تک فائدہ مند یا نقصان دہ ہے اور اس میں اصلاح و ترمیم کی کوئی چنداں ضرورت ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو یہ اصلاح و ترمیم کن اصولوں پر ہو۔ اس قسم کے کمیشن کے تقرر اور اس کے عمل سے ہمارے وطن کی ایک عظیم تعلیمی ضرورت بہترین طریق سے پوری ہونے کی غالب

توقع ہے۔

قومی تعلیمی کمیشن نے بھی اس سمت میں بہت سوچ بچار کیا ہے اور اصلاح و ترمیم کے لئے بہت مفید سفارشات کی ہیں جس کی وجہ سے امتحانوں کا موضوع اب تمام ماہرینِ تعلیم کی توجہ کا مرکز بن گیا ہے۔

بیسواں باب

امتحان کے جدید طریقے

مضمون قسم کے امتحان کے علاوہ طلبہ میں تحصیل علم کا جائزہ لینے کے لئے چند ایک جدید طریقے بھی وضع کئے گئے ہیں۔ امتحان کے ان جدید طریقوں کو تعلیمی تحصیل کی آزمائشیں بھی کہا جاتا ہے ان تحصیلی آزمائشوں کی دو مشہور قسمیں مندرجہ ذیل ہیں،

۱۔ جدید قسم کا امتحان

۲۔ معیاری آزمائش

امتحان کی یہ اقسام آپس میں بہت مشابہ ہیں۔ یہ اقسام مضمون قسم کے امتحان سے بدرجہا بہتر ہیں:۔

جدید قسم کا امتحان

جدید قسم کا امتحان طلبہ کی تعلیمی تحصیل کا جائزہ لینے کے لئے اساتذہ کے بہت آڑے آتا ہے۔ یہ ان تمام خامیوں سے مبرا ہے جو مضمون قسم کے امتحان میں موجود ہیں۔ امتحانوں کا یہ طریقہ بہت دلچسپ اور مفید ثابت ہوا ہے۔ جدید قسم کے امتحان میں طلبہ سے متعدد سوالات پوچھے جاتے ہیں۔ جواب کے طور پر ان سے رٹے رٹلائے اور لمبے لمبے مضامین کی توقع

نہیں رکھی جاتی ۔ بلکہ جواب فقط "ہاں" یا "نہیں" یا محض نشان دہی کی صورت میں مانگا جاتا ہے ۔

جدید قسم کے امتحان کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں :۔

۱۔ سوالوں کی کثرت اور تنوع
۲۔ واضح ہدایات
۳۔ نمبر لگانے کا سائنسی اور آسان طریقہ
۴۔ جزوی نمبروں کا عدم استعمال
۵۔ غیر متعلقہ عناصر کی نظر اندازی

سوالوں کی کثرت اور تنوّع : ۔ اس قسم کے امتحان میں طلبہ سے بے شمار اور طرح طرح کے سوال پوچھے جاتے ہیں جن کے جواب میں فقط "ہاں" یا "نہیں" یا نشان دہی وغیرہ کی صورت میں دینے ہوتے ہیں ۔

واضح ہدایات :۔ امتحان کے منعقد کرنے، سوال پوچھنے اور جوابات لکھنے کے متعلق ابہام یا غلط فہمی کا قطعی امکان نہیں رہتا ۔

نمبر لگانے کا سائنسی اور آسان طریقہ :۔ نمبر لگانے کا طریق بے حد آسان اور سائنسی ہوتا ہے ۔

جزوی نمبروں کا عدم استعمال :۔ چونکہ ہر سوال کا جواب واضح اور ہر صورت میں فقط ایک ہی ہوتا ہے اس لئے غیر واضح جوابوں کے لئے جزوی نمبر نہیں دئے جاتے ۔

غیر متعلقہ عناصر کی نظر اندازی: نمبر لگاتے وقت خوشخطی، صفائی، ظاہری ترتیب وغیرہ قسم کے تمام غیر متعلقہ عناصر کو قطعی طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

جدید قسم کے امتحان کی چند اقسام

جدید قسم کے امتحان کی بہت سی اقسام ہیں۔ چند چیدہ چیدہ اقسام مندرجہ ذیل ہیں:-

۱۔ صحیح اور غلط جوابات کی آزمائش
۲۔ بے ترتیب فقرات کی آزمائش
۳۔ انتخابِ جوابات کی آزمائش
۴۔ تکمیلِ فقرات کی آزمائش
۵۔ اعادہ کی آزمائش
۶۔ تقسیم کی آزمائش
۷۔ ترتیب کی آزمائش
۸۔ تشبیہات کی آزمائش
۹۔ مشابہت کی آزمائش
۱۰۔ متضادات کی آزمائش
۱۱۔ مناسبت کی آزمائش
۱۲۔ تسلسلِ اعداد کی آزمائش

۱۔ صحیح اور غلط جوابات کی آزمائش :۔ سوال نامہ میں مختلف فقرے دیئے جاتے ہیں۔ ہر ایک کے سامنے "صحیح" "غلط" لکھا ہوتا ہے۔ طلبہ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اگر ان کی رائے میں فقرہ صحیح ہو تو صحیح کے نیچے ورنہ غلط کے نیچے نشان لگادیں۔

مثلاً :۔

• دہلی ہندوستان کا دارالحکومت ہے۔	صحیح	غلط
• حد درجہ حرارت انسانی اہلیت کو فنا کردیتی ہے۔		

۲۔ بے ترتیب فقرات کی آزمائش :۔ چند بے ترتیب فقرے پیش کئے جاتے ہیں۔ ہر فقرے کے آگے "صحیح" "غلط" "نامعلوم" لکھا ہوا ہوتا ہے۔ طلبہ کو بتایا جاتا ہے کہ وہ ذہنی طور پر فقرہ کو ترتیب دیں اور پھر سوچیں کہ ترتیب شدہ فقرہ صحیح ہے یا غلط۔ اگر فقرہ صحیح معلوم ہوتا ہو تو صحیح کے نیچے ورنہ غلط کے نیچے نشان لگادیں۔ اگر انھیں فقرے کی صحت یا غلطی کا علم نہ ہو تو لفظ "نامعلوم" کے نیچے نشان لگادیں۔

مثلاً :۔

• بلّی کا پرندہ ہے قسم ایک۔	صحیح	غلط	نامعلوم
•• کی طرح سبق چاہیے معلّم تیاری سے کو پڑھانے پہلے اچھی کرتا اس	صحیح	غلط	نامعلوم

۳۔ انتخابِ جوابات کی آزمائش :۔ سوال نامہ میں ہر سوال دو سطور پر مشتمل ہوتا ہے۔ پہلی سطر میں ایک غیر مکمّل فقرہ ہوتا ہے جسے مکمل کرنے کے لئے فقط ایک لفظ درکار ہوتا ہے۔ دوسری سطر میں چند ایسے الفاظ دیئے جاتے ہیں جن میں سے فقط ایک پہلے فقرے کو مکمل کرتا ہے۔ طالب علم صحیح لفظ کا انتخاب کرتا ہے مثلاً :۔

بانگِ درا کا مصنّف
حالی غالب اقبال ذوق ہے۔
پٹ سن اس ملک سے باہر بھیجا جاتا ہے۔
ہندوستان ایران برما پاکستان

۴۔ تکمیل جواب کی آزمائش :۔ یہ آزمائش ہمارے مضمون قسم کے امتحان کے اس سوال سے ملتی ہے جسے "مندرجہ ذیل فقروں میں خالی جگہوں کو پُر کرو" کہتے ہیں۔ مثلاً :۔

• حمید اپنے والدین کا بہت نیک . . . . . . ہے۔
•• بابا کو بابا ملے کر کر لمبے . . .

۵۔ اعادہ کی آزمائش :۔ یہ آزمائش بھی مذکورہ بالا آزمائش سے ملتی جلتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہاں طالب علم کو خالی جگہ پُر کرنے کے لئے حافظہ پر زور دے کر اعادہ کرنا پڑتا ہے

مثلاً :۔

• بجلی کا موجد ..... تھا

•• یوم جمہوریہ ہندوستان ہر سال مورخہ ..... کو منایا جاتا ہے۔

۵۔ تقسیم کی آزمائش :۔ الفاظ کی چند قطاریں پیش کی جاتی ہیں۔ ہر قطار میں صرف ایک لفظ کے سوا باقی سب ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ طلبہ کو اس ایک لفظ پر نشان لگانا پڑتا ہے جو باقی الفاظ کی قسم سے خارج ہوتا ہے۔

مثلاً :۔

• پتّہ تنا درخت باغ ٹہنی

•• پشاور راولپنڈی ملتان ڈھاکہ لاہور

۷۔ ترتیب کی آزمائش :۔ طلبہ کے سامنے چند الفاظ پیش کئے جاتے ہیں اور انہیں ان الفاظ کو کسی مخصوص اور بتائی ہوئی ترتیب کے تحت ترتیب دینے کو کہا جاتا ہے :۔

مثلاً :۔

"مندرجہ ذیل افراد کو ان کے وقتوں کے اعتبار سے ترتیب دیجئے۔ ہر فرد کے نام سے پہلے خالی بریکٹ دیئے گئے ہیں۔ ان میں اس بریکٹ میں ۱ لکھ دیں جس کے مقابل کا فرد وقت کے اعتبار سے سب سے پہلے آتا ہے اس بریکٹ میں ۲ لکھ دیں جس کے مقابل کا فرد دوسرے

نمبر ہوتا ہے اور علیٰ ہٰذا القیاس باقی بریکٹوں میں بھی اسی ترتیب سے نمبر لکھنے جائیں ۔"۔

( ) شہنشاہ ہمایوں
( ) برناڈ شا
( ) مہاتما بدھ
( ) سکندر اعظم
( ) شاہ ولی اللہ
( ) ابراہم لنکن
( ) اقبال

۸۔ تشبیہات کی آزمائش :۔ اس آزمائش میں دو دو سطور پر مشتمل فقرے دیئے جاتے ہیں۔ پہلی سطر میں ایک مکمل تشبیہ ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک غیر مکمل تشبیہ بھی۔ دوسری سطر میں چند الفاظ ہوتے ہیں۔ جن میں سے صرف ایک لفظ پہلی سطر والی غیر مکمل تشبیہ کو مکمل کرتا ہے۔ طلبہ کو ہدایات کی جاتی ہیں کہ وہ اس لفظ کو ڈھونڈھ کر اس کے نیچے لگا دیں۔

مثلاً:۔

۰ ہندوستانیوں کو ہندی سے وہی نسبت ہے جو امریکیوں کو
فارسی انگریزی فرانسیسی جرمن سے
۰۰ میٹھے کا شہد سے وہی تعلق ہے جو کڑوے کا

تلخ کلامی تجربہ زبان کومین سے

۹۔ مشابہت کی آزمائش:۔ طلبہ کے سامنے دو دو سطور کی صورت میں چند الفاظ پیش کئے جاتے ہیں۔ پہلی سطر کے تمام الفاظ آپس میں کسی نہ کسی اعتبار سے مشابہ ہوتے ہیں۔ دوسری سطر میں فقط ایک لفظ پہلی سطر کے ہم مشابہ الفاظ کا ہم جنس ہوتا ہے اس لفظ کے نیچے نشان لگانا ہوتا ہے۔

مثلاً:۔

• چڑیا طوطا کبوتر
سیاہ اونٹ سانپ کوّا بھینس

•• طبیب مصنف تاجر
حبشی انجنیر انگریز رئیس مفلس

۱۰ متضادات کی آزمائش:۔ الفاظ کی چند قطاریں پیش کی جاتی ہیں۔ ہر قطار میں ایک لفظ کے آگے بریکٹوں کے اندر چند اور الفاظ دیئے جاتے ہیں۔ طالب علم کو بریکٹوں والے الفاظ میں سے اس ایک لفظ کو ڈھونڈ اور اس پر نشان لگانا ہوتا ہے جو بریکٹ کے باہر والے لفظ کا متضاد ہو۔

مثلاً:۔

• بیچنا (فروخت کرنا، قیمت ادا کر، خریدنا، انعام حاصل کرنا)

•• عارضی (پختہ، مستقل، مضبوط، توانا)

۱۱۔ مناسبت کی آزمائش:۔ اس آزمائش میں طلبہ کو مختلف الفاظ یا فقرات میں مناسبت دریافت کرنے کو کہا جاتا ہے مثلاً ذیل میں الفاظ کے دو کالم دیئے گئے ہیں۔ پہلے کالم میں ہر لفظ کے آگے بریکیٹ میں اس کا سلسلہ وار نمبر دیا ہوا ہے۔ کالم نمبر دو میں الفاظ سے پہلے خالی بریکیٹ ہیں۔ کالم نمبر ایک کے ہر لفظ کو کالم نمبر دو کے ایک مخصوص لفظ سے کچھ مناسبت ہے۔ کالم نمبر ایک میں جس لفظ کو کالم نمبر دو کے جس لفظ سے مناسبت ہے اس کا نمبر کالم نمبر دو کے خالی بریکیٹ میں درج کر دیجئے۔

کالم نمبر ایک	کالم نمبر دو
(۱) بارش	( ) جراثیم
(۲) حج	( ) منڈی
(۳) مصر	( ) مون سون
(۴) تجارت	( ) جُرم
(۵) سزا	( ) مکّہ
(۶) بیماری	( ) اہرام

۱۲۔ تسلسلِ اعداد کی آزمائش:۔ طلبہ کے سامنے ایسے اعداد کی چند قطاریں پیش کی جاتی ہیں جو کسی ترتیب کے تحت مسلسل ہوں۔ ہر قطار کے آگے دو خالی جگہیں چھوڑی جاتی ہیں۔ طلبہ اعداد کے تسلسل کو سمجھ کر دو ایسے اعداد دریافت کرتے ہیں جو اس

سلسلہ کو جاری رکھتے ہوں۔ ان اعداد کو خالی جگہوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

مثلاً

۰ ۲۰۲ ۳۰۳ ۴۰۴ ۵۰۵ — —

۵۰ ۴۰ ۴ ۳۵ ۱۵ ۳۰ — —

جدید قسم کے امتحان کے فوائد

جدید قسم کے امتحان پر بہت تنقید و تنقیص ہوئی ہے۔ اس کے چند فوائد مندرجہ ذیل ہیں :۔

(۱) وقت اور محنت کی بچت

(۲) جامعیت

(۳) امتحان کا سائنسی طریقہ

(۴) غور و فکر پر زور

(۵) غیر متعلقہ عناصر کی نظر اندازی

وقت اور محنت کی بچت :۔ جدید قسم کے امتحان کی مختلف آزمائشوں کو بنانے میں دیر تو ضرور لگتی ہے، مگر استعمال کرتے وقت اور نمبر لگانے میں وقت اور محنت کی بہت بچت ہوتی ہے۔ مجموعی طور پر یہ آزمائش مضمون قسم کے امتحان کی نسبت وقت اور محنت کی بہت بچت کرتی ہے۔

جامعیت :۔ اپنی وسعت کے اعتبار سے جدید قسم کا امتحان واضح طور پر مضمون قسم کے امتحان سے جامع ہے۔ اس کے پرچوں میں مضامین کے تمام پہلوؤں کو بخوبی شامل کیا جا سکتا ہے۔

امتحان کا سائنسی طریقہ :۔ اس امتحان میں تعصّب، رعایت اور گڑبڑ کی گنجائش نہیں رہتی۔ کیونکہ اس کے جوابوں کی صحت یا غلطی صاف نظر آجاتی ہے اور ممتحن خواہ کوئی بھی ہوں ان کے نمبروں میں تفاوت کسی صورت بھی ممکن نہیں ہے۔

غور و فکر پر زور :۔ ان آزمائشوں کے حل کرنے میں رٹائی اور گھوٹہ بازی کی بجائے غور و فکر کی ضرورت پڑتی ہے۔

غیر متعلقہ عناصر کی نظر اندازی :۔ غیر متعلقہ باتیں لکھنے کا اول تو کہیں بھی موقع پیدا نہیں ہوتا اور اگر کوئی امیدوار ایسی باتیں لکھ بھی دے تو اس کا قطعی کوئی نمبر نہیں مل سکتا۔

جدید قسم کے امتحان کی خامیاں

جدید قسم کا امتحان سراسر خوبیوں ہی کا مجسمہ نہیں ہے۔ اس کی چیدہ چیدہ خامیاں درج ذیل ہیں :۔

(۱) محدود افادیت
(۲) تحریری کام میں مشق سے نظر اندازی

(۳) قیاس آرائی کا عدم علاج

محدود افادیت :۔ جدید قسم کے امتحان کی افادیت محدود ہے۔ یہ صرف معلوماتِ عامہ والے مضامین کے امتحان کے لئے ہی زیادہ مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

تحریری کام میں مشق سے نظرانداز ی :۔ اس قسم کے امتحان تحریری کام میں مشق کے معاملہ کو قطعی طور پر نظرانداز کر دیتے ہیں۔

قیاس آرائی کا عدم علاج :۔ جواب دیتے وقت طالب علم خالص قیاس آرائی اور تُک بندی پر بھی اتر سکتا ہے۔ جدید قسم کے امتحان میں اس امر کی جانچ پڑتال اور روک تھام کا کوئی انتظام موجود نہیں ہے کہ کسی طالب علم کے جوابات کس حد تک صحیح علم یا تک بندی کا نتیجہ ہیں۔

بہر کیف جدید قسم کے امتحان کی خوبیاں اس کی خامیوں سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ مجموعی طور پر امتحان کا یہ طریق ہمارے مضمون قسم کے امتحان سے بدرجہا بہتر ہے۔ مضمون قسم کے امتحان کی اساس سراسر رٹائی پر رکھی گئی ہے۔ اس کے برعکس جدید قسم کا امتحان تخلیق اور غور و فکر کے اصولوں پر مبنی ہے۔

معیاری آزمائشیں

معیاری آزمائشیں جدید قسم کے امتحان سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ استعمال کرنے سے قبل انھیں طلبہ پر آزمانے کے بعد مخصوص معیار کے مطابق بنا لیا جاتا ہے۔ جو مختلف عمر کے بچّوں کے لئے موزوں ہو۔

معیاری آزمائشوں کو مندرجہ ذیل دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے:۔

ا۔ خصوصی تعلیمی مقصد والی آزمائشیں

ب۔ مضامین میں استعداد اور قابلیت جانچنے والی آزمائشیں۔

اوّل الذکر قسم کی آزمائشیں کسی خاص تعلیمی مقصد کو مدِ نظر رکھتی ہیں اور مؤخر الذکر مختلف نصابی مضامین یا واقفیتِ عامہ میں طلبہ کی قابلیت کا جائزہ لیتی ہیں۔

خصوصی تعلیمی مقصد والی آزمائشوں کی چند اقسام درج ذیل ہیں:۔

۱۔ مقدار شرح یا رفتار کی آزمائش

۲۔ مشکلات سے نپٹنے کی صلاحیت کی آزمائش

۳۔ نوعیت کی آزمائش

۴۔ صحت کی آزمائش

۵۔ مخلوط ازمائش

مقدار شرح یا رفتار کی آزمائش :۔ معیاری آزمائشوں کی یہ قسم اس بات کا پتہ لگانے کی کوشش کرتی ہے کہ طلبہ میں علم حاصل کرنے کی مقدار، شرح یا رفتار کیا ہے

مشکلات سے نپٹنے کی صلاحیت کی آزمائش :۔ یہ آزمائشیں طلبہ کے سامنے کسی مضمون سے متعلق ایسے سوالات پیش کرتی ہیں جو بتدریج مشکل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جوابوں کی بنا پر اس امر کا جائزہ لینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ طلبہ میں مشکلات سے نپٹنے کی صلاحیت کس حد تک موجود ہے۔

نوعیت کی آزمائش : ان آزمائشوں کے ذریعہ طلبہ کے جوابوں میں نفس مضمون تحریر، طرزِ ادائیگی، ادراک، عبور وغیرہ کے پہلوؤں کی نوعیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

صحت کی آزمائش :۔ ان آزمائشوں کا مقصد لکھائی، پڑھائی، حساب، ٹائپ رائیٹنگ وغیرہ میں طلبہ کے نفس مضمون کی صحت کا امتحان لینا ہے۔

مخلوط آزمائش :۔ مخلوط آزمائشوں میں ایک ہی آزمائش کے ذریعہ مذکورہ بالا چاروں اقسام کی آزمائشوں کے اغراض پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

معیاری آزمائشوں کی دوسری قسم کا تعلق نصابی مضامین

سے ہے۔ اس کی دو انواع مندرجہ ذیل ہیں :-

۱۔ جامع آزمائش

۲۔ انفرادی آزمائش

جامع آزمائشوں کا مقصد ایک ہی آزمائش کی مدد سے تمام درسی مضامین میں طلبہ کی قابلیت کا امتحان لینا ہوتا ہے۔ انفرادی آزمائشوں میں اس کے برعکس مختلف مضامین کا امتحان لینے کے لئے مختلف انفرادی آزمائشیں استعمال کی جاتی ہیں۔

معیاری آزمائشیں بھی مضمون قسم کے امتحان کے مقابلہ میں بہت مفید ثابت ہوئی ہیں۔ ان کی مدد سے معلم مختلف مضامین میں طلبہ کی لیاقت اور نالائقی کا قدرے سائنسی امتحان لے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ان آزمائشوں کے ذریعہ طلبہ کی خصوصی صلاحیتوں، فن کارانہ، موسیقانہ میکانکی، معاشرتی اور دیگر قابلیتوں اور رجحانوں کا جائزہ لیا جا سکتا ہے اس جائزہ کی روشنی میں ان کی فنی تربیت اور رہنمائی کا کام بہت بہتر طریق سے سرانجام دیا جا سکتا ہے۔

امتحان کا جامع طریق

ہم نے مضمون قسم اور جدید قسم کے امتحانوں کی

خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لیا ہے۔ اس جائزے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جدید قسم کے امتحانات مضمون قسم کے امتحان سے بدرجہا بہتر ہیں۔ تاہم چند ایک خوبیوں کی بنا پر ہم مضمون قسم کے امتحان کو قطعی طور پر نظرانداز بھی نہیں کر سکتے۔ مثال کے طور پر امتحان کا یہ واحد طریق ہے جو طلبہ کو تحریری مشق کے مواقع بہم پہنچاتا ہے۔ اس کے علاوہ چند مضامین ایسے بھی ہیں جن کا مناسب امتحان فقط اسی طریقے سے ہو سکتا ہے۔ مثلاً تاریخ، ادب وغیرہ

اس لئے بہتر طریق یہی ہے کہ امتحانوں کا ایک ایسا جامع طریق رائج کیا جائے جس میں دونوں طریقوں کی خوبیاں شامل ہوں۔ اس جامع طریق کے امتحان میں دونوں طریقوں کا مخلوط استعمال ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر معلومات عامہ والے مضامین کے لئے ہم جدید قسم کے امتحانات کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔ اسی طرح تاریخ، ادب اور تشریح طلب مضامین کے لئے مضمون قسم کا امتحان استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

مقام مسرت ہے کہ اس قسم کے جامع طریق کو کسی حد تک میٹرک کے امتحان میں استعمال کرنا شروع کر دیا گیا ہے۔ اس تعلیمی تجربہ کے نتائج کا ناقدانہ تجزیہ کیا جائے تو امتحان کے اس مجوزہ طریق کے محاسن و معائب پر روشنی پڑنے کا امکان ہے۔

اکیسواں باب

ذہانت کی آزمائشیں

ذہانت کیا ہے؟ یہ بیان کرنا قدرے مشکل ہے۔ کردار کو ماحول کے حسب حال بدلتے رہنا اپنے سابقہ تجربوں سے حال میں فائدہ اٹھاتے رہنا اور کامیاب زندگی بسر کرنے کے لیے حتی الوسع جدّ و جہد کرتے رہنا ذہانت ہے۔ ذہانت کی بدولت ہم اپنی خام جبلّی فطرت میں مفید تغیّر لاکر نئی نئی صورت حال سے نپٹنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ ہمارے تخیّل استدلال اور تحریر و تقریر میں ذہانت کی چاشنی ہمارا معاشرتی وقار بلند کر دیتی ہے۔

ذہانت کی آزمائشوں کی تاریخ

ذہانت کی آزمائشوں کی ابتدا ایک عملی تعلیمی مسئلہ سے ہوئی۔ بیسویں صدی کے اوائل میں مشہور فرانسیسی ماہر نفسیات الفرڈ بینے نے دیکھا کہ اکثر بچّے مدرسہ کے تعلیمی مشاغل میں عدم دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی ایک غالب اکثریّت پھسڈی پن کا شکار بھی بن گئی تھی۔

بینے کو یہ دریافت کرنے کا شوق چرایا کہ ان بچوں کا پسماندہ پن مدرسہ کی پڑھائی میں عدم توجہ اور شرارتوں کی وجہ سے تھا یا ذہانت میں کمی کی وجہ سے ۔

اس امر کی وضاحت کا مسئلہ یکے بعد دیگرے متعدد نفسیاتی آزمائشوں کی تشکیل کا سبب بن گیا ۔ ۱۹۰۵ء میں بینے نے سائمن سے مل کر ذہنی آزمائشوں کا ایک سلسلہ شائع کیا ۔ اس سلسلہ کو " بینے ۔ سائمن ذہانت کا پیمانہ " کہتے ہیں ۔ اس پیمانے کے بعد ذہانت کی آزمائشوں کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا ۔ متعدد ماہرین نفسیات نے بینے ۔ سائمن پیمانہ پر نظر ثانی کر کے اس میں ترمیم و اصلاح کی ۔ ٹرمین اور میرل نے اسی قسم کا ایک پیمانہ ۱۹۳۷ء میں شائع کیا ۔ ذہانت کے اس مشہور پیمانہ میں ۱۲۹ آزمائشیں شامل ہیں ۔

ذہانت کی آزمائشوں کی اقسام

ذہانت کی آزمائشوں کی متعدد اقسام ہیں ۔ ان تمام اقسام کو مندرجہ ذیل گروہوں میں بانٹا جا سکتا ہے :۔

(۱) انفرادی آزمائشیں

(۲) اجتماعی آزمائشیں (۳) متفرق آزمائشیں

ذہانت کی انفرادی آزمائشیں

ذہانت کی انفرادی آزمائشیں ایک وقت میں ایک فرد پر استعمال کی جا سکتی ہیں۔ انفرادی آزمائشوں کی دو مشہور اقسام درج ذیل ہیں:-

بینے قسم کی آزمائشیں

(ب) تعلیمی آزمائشیں

بینے قسم کی آزمائشیں:- ان آزمائشوں کی ایک مثال ٹرمین میرل کا پیمانہ ہے۔ اس پیمانے کی چند مدات مندرجہ ذیل ہیں:-

دو برس کی عمر کے لئے:-

- لکڑی کے بلاکوں کو ایک تین سوراخوں والے تختہ میں رکھنا۔
- .. گڑیا کے ان چار حصوں میں سے کم از کم تین کو پہچاننا: بال، منہ، کان، ہاتھ
- ... عام قسم کی آسان آسان ہدایات پر عمل کرنا۔ مثلاً "چمچی کو پیالے میں ڈالو"، "مجھے فلاں چیز دو" وغیرہ

دس برس کی عمر کے لئے:-

- ۴۵ الفاظ پر مشتمل فہرست میں سے کم از کم ۱۱ کی

تعریف کرنا۔

.. کسی تصویر میں مضحکہ خیز اور متضاد باتوں کو ڈھونڈھنا۔

... ایک پیراگراف کو ۳۵ سیکنڈ میں پڑھنا اور اس میں دی ہوئی ۲۴ باتوں میں سے کم از کم دس کا اعادہ کرنا۔

:: اسباب بتلانا۔ مثلاً اس بات کے دو اسباب بتلانا کہ بچّوں کو مدرسہ میں شور و غل کیوں نہیں کرنا چاہیئے۔

:.: ممتحن چند ہندسے بولتا ہے۔ ان ہندسوں کو اس کے پیچھے دُہرانا۔

تعلیمی آزمائشیں :۔ تعمیلی آزمائشوں میں زبان کے استعمال کو بے دخل کردیا جاتا ہے۔ اس میں فرد کے سامنے ایک عملی صورت پیش کی جاتی ہے اور اسے اس ضمن میں چند ہدایات کی تعمیل کے لئے کہا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں تعمیلی آزمائش کی چند اقسام مندرجہ ذیل ہیں:۔

ا۔ فارم بورڈ آزمائش
ب۔ آدمی کی تصویر کشی کی آزمائش
ج۔ بھول بھلیوں والی آزمائش

د۔ عملی آزمائش

فارم بورڈ آزمائش :۔ اس آزمائش میں لکڑی کا ایک تختہ ہوتا ہے جس میں مختلف شکلوں والے سوراخ ہوتے ہیں۔ ہر سوراخ میں پورے آجانے والے لکڑی کے چند بلاک بھی ساتھ ہوتے ہیں۔ فرد کو کم از کم وقت میں ان بلاکوں کو ان کے متعینہ سوراخوں میں ڈالنا ہوتا ہے

آدمی کی تصویر کشی کی آزمائش :۔ اس آزمائش میں بچّے کو کسی آدمی کی تصویر بنانے کو کہا جاتا ہے۔ بچّے کی بنائی ہوئی تصویر کے مختلف حصوں، ان میں تناسب وغیرہ سے بچّے کی ذہانت کی ترجمانی ہوتی ہے یہ آزمائش دراصل ۳ سے ۱۰ سال تک کی عمر کے بچّوں کے لئے وضع کی گئی تھی۔ مگر اب اسے بڑی عمر کے بچّوں کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بچّے اس آزمائش میں بڑی دلچسپی سے حصّہ لیتے ہیں۔

بھول بھلیوں والی آزمائش :۔ بچّے کو کاغذ کا ایک ٹکڑا دیا جاتا ہے۔ جس پر بھول بھلیاں بنی ہوتی ہے۔ اُسے پنسل سے مقامِ مقصود تک پہنچنے کا چھوٹے سے چھوٹا راستہ بتانے کے لئے کہا جاتا ہے۔

عملی آزمائش :۔ اس آزمائش میں بچّے کو ایک

بظاہر حقیقی عملی صورت حال میں رکھا جاتا ہے۔ اور اُسے اس صورتِ حال کے کسی پہلو کا حل ڈھونڈنے کو کہا جاتا ہے۔ عملی آزمائش کے ذریعہ ذہانت کے علاوہ شخصیت کے اوصاف مثلاً دیانت داری، راستگوئی وغیرہ کا امتحان بھی ہو سکتا ہے۔

ذہانت کی اجتماعی آزمائشیں

ذہانت کی اجتماعی آزمائشیں بیک وقت ایک سے زیادہ افراد کو دی جا سکتی ہے۔ اس قسم کی آزمائش کی دو اقسام ہیں جو درج ذیل ہیں۔

ا۔ تحریری آزمائش

ب۔ غیر تحریری آزمائش

تحریری آزمائش میں زبان کا استعمال ہوتا ہے۔ فرد کو چند مشقیں دی جاتی ہیں اور اسے انھیں حل کرنے کو کہا جاتا ہے۔ غیر تحریری آزمائشوں میں الفاظ کی بجائے تصویروں، شکلوں وغیرہ استعمال ہوتا ہے۔ انھیں خصوصاً اَن پڑھ اور کم تعلیم یافتہ افراد کی ذہانت ناپنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

ذہانت کی اجتماعی آزمائشوں کی ابتدا فوج سے

ہوئی ۔ پہلی جنگ عظیم میں امریکی فوج میں سپاہیوں اور افسروں کی بھرتی کے سلسلے میں ہزارہا امیدواروں کا انٹرویو لینا اور انھیں مختلف فوجی ملازمتوں کے لئے منتخب کرنا، ایک دردِ سر بن گیا تھا۔ اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے امریکی ماہرین نفسیات نے اجتماعی آزمائشوں کی یہ دو اقسام وضع کیں:۔

ا۔ فوجی الیفا آزمائش

ب۔ فوجی بٹیا آزمائش

فوجی الیفا آزمائش مختلف حصوں پر مشتمل تھی ۔ اس کی چند انواع مندرجہ ذیل ہیں:۔

. تعمیلِ ہدایات کی آزمائش

.. تسلسلِ اعداد کی آزمائش

... تشبیہات کی آزمائش

تعمیلِ ہدایات کی آزمائش، چند ہدایات دے کر افراد کو ان کی تعمیل کرنے کو کہا جاتا ہے ۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو:۔

" نیچے دیے ہوئے حروف تہجّی کی قطار ملاحظہ فرمائیے ۔

جب میں کہوں " شروع کرو" تو قطار کے آخری

حروف پر × کا نشان لگا دیں۔ حرف چ کے گرد دائرہ بنا دیں اور ڈ کے بعد آنے والے دو حروف کے نیچے لکیر ڈال دیں۔ شروع کرو۔"

ا ب ت ٹ ث ج چ ح خ د ڈ ذ ر ز ژ س ش ۔

تسلسل اعداد کی آزمائش :۔ چند قطاروں میں اعداد کے سلسلے پیش کئے جاتے ہیں۔ ہر سلسلہ کسی ترتیب سے جاری ہے۔ ہر قطار کے آگے دو خالی جگہیں چھوڑ دی جاتی ہیں۔ افراد کو یہ بات دریافت کرنا ہوتی ہے کہ اعداد کا ہر سلسلہ کس حساب سے جاری ہے۔ اسی حساب سے دو خالی جگہوں پر مناسب اعداد لکھنے پڑتے ہیں :۔

مثلاً :۔

۶ ۵ ۴ ۳ ______ ______

۱ ۸ ۲ ۱۶ ۳ ۳۲ ______ ______

تشبیہات کی آزمائش :۔ اس آزمائش کی ہر مد دو سطور پر مشتمل ہوتی ہے۔ پہلی سطر میں ایک مکمل تشبیہ دی جاتی ہے اور ایک غیر مکمل۔ اس ناتمام تشبیہ کی تکمیل دوسری سطر کے متعدد الفاظ میں سے صرف ایک سے ہو سکتی ہے۔ افراد کو اس لفظ کے نیچے لکیر

ڈالنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔

مثلاً :۔

بائیں کا دائیں سے وہی تعلق ہے جو اُوپر کا سامنے، پیچھے، نیچے، زمیں دوز سے ہے۔

فوجی بٹیا آزمائش میں زبان کے استعمال کو بے دخل کردیا گیا ہے۔ دراصل یہ آزمائش ان لوگوں کی ذہانت ناپنے کے لئے وضع کی گئی تھی جنھیں انگریزی نہیں آتی تھی۔ چنانچہ امریکی فوج نے اسے امریکہ میں بسنے والے غیر ملکی باشندوں پر بہت کامیابی سے استعمال کیا ہے۔

ٹبیا فوجی آزمائشوں میں بھول بھلیاں اور ایکس او (×٥) کے سلسلے بہت دلچسپی کا باعث ہیں۔ مثلاً افراد کو ٥ × کے مندرجہ ذیل سلسلے مزید جاری رکھنے کے لئے کہا جاتا ہے :۔

٥ × ٥ × ....

٥ × × × ٥٥ × × ٥٥٥ × ٥ × × × ....

متفرق قسم کی آزمائشیں

ان آزمائشوں کے علاوہ کئی متفرق قسم کی ذہانت

کی آزمائشیں بھی استعمال ہوتی ہیں۔ چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں :۔

ا۔ رورزشاخ آزمائش
ب۔ گیسل کا نشوونما کا پیمانہ
ج۔ بوہلر ہیٹزر کا پیمانہ

رورزشاخ آزمائش :۔ یہ دراصل شخصیت کی آزمائش ہے۔ مگر اسے ذہانت کی پیمائش کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی ایک عام قسم ایسی ہے جس میں فرد کے سامنے سیاہی کے بڑے دھبے پیش کئے جاتے ہیں اور اسے ان دھبّوں کی تشریح کرنے کو کہا جاتا ہے۔ دھبّوں کی تشریح کرتے کرتے فرد ان میں اپنی ذہانت اور شخصیت کی عکاسی بھی کر جاتا ہے۔

گیسل کا نشوونما کا پیمانہ :۔ یہ پیمانہ چھوٹے بچّوں کی نشوونما اور ذہانت ناپنے کے لئے بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔

بوہلر ہیٹزر پیمانہ :۔ یہ پیمانہ گیسل کے پیمانے سے بہت مشابہ ہے۔

ذہانت کی ان پیمائشوں کے علاوہ رجحان اور شخصیت

ناپنے کی انفرادی اور گروہی آزمائشیں بھی وضع کی گئی ہیں ۔ رُجحان کی آزمائشوں کی مدد سے مختلف مضمونوں اور پیشوں کے لئے کسی فرد کے فطری رُجحانوں کو ناپا جا سکتا ہے ۔ اور اس پیمائش کی بنا پر اس کی مناسب فنّی تربیت اور رہنمائی کی جا سکتی ہے ۔

شخصیت کی آزمائش سے ایسے شخصی اوصاف مثلاً تعاون ، ہمدردی ، اجتماعیت ، دیانت داری، راست گوئی ، ہمت ، حوصلہ ، استقلال وغیرہ کا جائزہ لیا جا سکتا ہے ۔ اس آزمائش سے فرد سے متعلق بہت بیش بہا معلومات مل جاتی ہیں ، جس کی مدد سے فرد کو اپنی شخصیت میں مناسب ترمیم و اصلاح کرنے میں بھی بہت مدد ملتی ہے ۔

مقیاسِ ذہانت

مختلف عمروں کے لئے ذہانت کی مختلف آزمائشیں متعیّن ہوتی ہیں ۔ کسی فرد کی ذہانت کو باقاعدہ اعداد وشمار کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے ۔ اس صورت میں پیش کی ہوئی پیمائش شدہ ذہانت کو مقیاسِ ذہانت (م ۔ ذ) کہتے ہیں ۔ مقیاسِ ذہانت دریافت کرنے کا اصول یہ ہے :-

$$\frac{\text{ذہنی عمر}}{\text{طبعی عمر}} \times ۱۰۰$$

فرض کیجئے کہ ایک بچے کی طبعی عمر ۱۲ برس ہے۔ آپ اسے کسی ذہنی آزمائش کا ایک پیمانہ حل کرنے کو دیتے ہیں، جو عین بارہ برس کے بچوں کے لئے معیاری قرار دیا گیا ہے۔ اگر بچہ اسے بالکل صحیح حل کر لیتا ہے تو اس کی ذہنی عمر بھی ۱۲ برس بیٹھتی ہے۔ اب آپ اس کا مقیاسِ ذہانت بھی نکال سکتے ہیں۔

بچے کا مقیاسِ ذہانت $\frac{۱۲}{۱۲} \times ۱۰۰ = ۱۰۰$

اگر وہی بچہ بارہ برس کا پیمانہ حل کرنے کی بجائے صرف گیارہ برس کا پیمانہ ہی حل کر سکے تو اس کی ذہنی عمر ۱۱ برس ہوگی۔ اس صورت میں اس کا مقیاسِ ذہانت یہ ہے:-

مقیاس ذہانت = $\frac{۱۱}{۱۲} \times ۱۰۰ = ۹۱٫۶$

اس کے برعکس اگر یہی بچہ ۱۳ برس کا پیمانہ بھی حل کرلے تو اس کی ذہنی عمر بھی ۱۳ برس ہوگی اور مقیاسِ ذہانت یہ ہوگا۔

مقیاسِ ذہانت = $\frac{۱۳}{۱۲} \times ۱۰۰ = ۱۰۸٫۳$

مقیاسِ ذہانت دریافت کر لینے سے کسی فرد کی ذہانت

کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے ۔ مختلف ذہنی سطح کے لوگوں کا مقیاسِ ذہانت مختلف ہوتا ہے ۔ مقیاسِ ذہانت کے اعتبار سے بچّوں کی مختلف اقسام مندرجہ ذیل ہیں :-

بچّوں کی اقسام اور مقیاسِ ذہانت

بچّوں کی اقسام	مقیاسِ ذہانت
۱۔ مخبوط العقل	صفر سے ۱۹ تک
۲۔ فاتر العقل	۲۰ سے ۴۹ تک
۳۔ ضعیف العقل	۵۰ سے ۶۹ تک
۴۔ احمق	۷۰ سے ۷۹ تک
۵۔ کند ذہن	۸۰ سے ۸۹ تک
۶۔ متوسّط ذہین	۹۰ سے ۱۰۹ تک
۷ ذہین	۱۱۰ سے ۱۱۹ تک
۸ بہت ذہین	۱۲۰ سے ۱۳۹ تک
۹۔ فطین	۱۴۰ سے اوپر

ذہنی آزمائشوں کی تعلیمی اہمیت

ذہنی آزمائشوں کو بہت عظیم تعلیمی اہمیت حاصل

ہے۔ ان کی مدد سے معلم کو طلبہ سے متعلق بہت مفید اور جامع مواد دستیاب ہوتا ہے۔ جس سے اسے ان کی تعلیم و تربیت اور مناسب رہنمائی میں مدد ملتی ہے۔ مثال کے طور پر ذہانت کی آزمائشوں کی مدد سے معلّم بچّوں کی ذہانت مختلف معیاروں سے واقف ہو جاتا ہے۔ اس علم کی بنا پر وہ درس و تدریس میں ان کے ذہنی معیار کا پاس رکھتا ہے اور تعلیمی کام کو ان کے ذہنی معیار سے مختلف ہونے سے بچا لیتا ہے۔

طلبہ کے طبعی رُجحانوں کے علم کی بنا پر وہ مختلف مضامین کے چناؤ میں ان کی مناسب رہنمائی کر سکتا ہے طبعی رُجحانوں کا علم فنّی تربیت میں بھی بہت کام آتا ہے۔ اس طرح بچّوں کو ایسے مضامین اور ایسے فنون میں تربیت کے مواقع میسر آ جاتے ہیں، جو ان کے فطری رُجحانوں کے عین مطابق ہوں۔ شخصیت کی آزمائشیں طلبہ کے شخصی اوصاف سے متعلق ضروری مواد بہم پہنچا کر معلّم کو ان کی ذاتی رہنمائی کے کام میں بہت معاونت دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کے لئے اپنے آپ کو سمجھنے اور اپنی بہتری کے لئے موثر اقدام اٹھانے میں بھی اس قسم کی آزمائشیں بہت مفید رہنما ثابت ہوئی ہیں۔

افادیت کی شرائط :- مختلف قسم کی ذہنی آزمائشیں تعلیمی اعتبار سے مجموعی طور پر بے انتہا مفید ہیں۔ مگر ان کی افادیت مشروط ہے ۔ شرائط یہ ہیں کہ انھیں غور وفکر اور فہم وفراست سے وضع کیا گیا ہو اور استعمال سے پہلے زیادہ سے زیادہ افراد پر آزما کر مختلف عمروں کے لئے معیاری قرار دیا گیا ہو۔ اس کے علاوہ ان کے استعمال کے طریقے ، ہدایات ، جوابات ، جانچنے کے طریقوں اور تاویلوں کے معاملوں میں عملی تربیت اور فہم وتدبّر کی اشد ضرورت ہے ۔ ان احتیاطوں اور شرطوں کے بغیر ان آزمائشوں سے کسی قسم کے فائدہ کی بجائے نقصان پہنچنے کا احتمال ہو جاتا ہے ۔

حصہ ششم

مدرسہ اور ذہنی صحّت

★ مدرسہ اور ذہنی صحّت

★★ چائلڈ گائیڈینس کلینک

بائیسواں باب

مدرسہ اور ذہنی صحّت

گھر کی فضا اور والدین کی تربیت بچّے کی شخصیّت اور کردار پر بہت گہرا اثر ڈالتی ہے۔ گھریلو عناصر کے علاوہ مدرسہ کی زندگی بھی بچّے کی ذہنیت کو بے حد متاثر کرتی ہے۔ پانچ چھ سال کا بچّہ گھر کی چار دیواری سے نکل کر جب مدرسہ جانا شروع کرتا ہے تو اس کے جسم اور ذہن میں طرح طرح کے تغیّرات رُونما ہونے لگتے ہیں۔ فطرت بچّوں میں اثر پذیری کا جذبہ بڑی فیّاضی سے بھر دیتی ہے۔ اگر اس جذبے کو مدرسہ اچھی طرح بروئے کار لائے اور منظّم تعلیم وتفریح کے ذریعہ بچّوں کی امنگوں اور صلاحیتوں کی مناسب رہنمائی کرے تو ایسے بچّے پروان چڑھتے ہیں جن کے ذہن اور جسم صحت مند ہوتے ہیں اور جو آئندہ چل کر مفید اور کار آمد بالغ ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر اربابِ مدرسہ بچّوں کی تعلیم وتربیت اور کھیل کود کے بارے میں کسی قسم کی غفلت یا

کج روی کے مرتکب ہوں تو مدرسہ ایسے بچّے پیدا کرنے کا ذمہ دار بنتا ہے جو مختلف ذہنی اور جسمانی بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں اور جو انجام کار نااہل اور خطرناک شہری ثابت ہوتے ہیں۔

تعلیم کا صحیح مقصد

مدرسہ کی تعلیم کا مقصد بچّوں کو اس قسم کی ابتدائی تربیت دینا ہے جس سے ان میں مختلف علوم کے مبادیات سمجھنے، آئندہ زندگی میں کسی ہنر کو بطور معاش اختیار کرنے اور متمدن با اخلاق اور خوش مزاج شہری بننے کا سلیقہ پیدا ہو۔ یہ صلاحیتیں طلبہ میں اسی صورت میں اجاگر ہو سکتی ہیں۔ جب وہ ذہنی طور پر اس قابل ہوں کہ اس تربیت کے نشیب و فراز اور اس کی غرض وغایت کو سمجھ سکیں۔ چونکہ مدرسہ کی علمی، معاشرتی اور تفریحی زندگی سے وہی طلبہ مستفیض ہو سکتے ہیں جو ذہنی طور پر صحت مند ہوتے ہیں۔ اس لئے معلّم کو تعلیم و تربیت کے اس پہلو سے غفلت نہیں برتنی چاہیئے۔ کوئی معلّم طلبہ کو تعلیم کی صحیح رُوح سے روشناس کرانے میں اس وقت تک کامیاب

نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ان کی ذہنی صحت کو برقرار رکھنے کا خصوصی اہتمام نہ کرے۔

مدرسہ میں بے شمار عناصر بچّوں کی ذہنی صحت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ سمجھنے کی خاطر ان عناصر کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :-

۱۔ معلم کی شخصیت
۲۔ نصابِ تعلیم اور طریقِ تدریس
۳۔ مدرسہ کی تفریحی اور معاشرتی سرگرمیاں

بچّوں کی ذہنی صحت پر معلم کا اثر

اس حقیقت میں قطعی شک نہیں کہ معلّم کی شخصیت بچّوں پر بے پناہ اثر ڈالتی ہے۔ اگر معلّم کی اپنی زندگی ذہنی صحت کی نعمتوں سے مالا مال ہو، وہ خوش وخرّم رہتا ہو، اور اپنے فن میں عبور رکھنے کے علاوہ اس میں دلچسپی بھی لیتا ہو تو وہ خوش نصیب بچّے جو اس سے تعلیم حاصل کرتے ہیں بہت فائدہ میں رہتے ہیں۔ وہ اپنے معلّم کی شخصیت اور کردار کے اکثر اوصاف کو اپنی شخصیت کا جزو بنانے میں عموماً کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اگر معلّم خود ہی ذہنی صحت سے

محروم ہو تو بچوں کے فکر اور عمل کا صحیح سمتوں کی طرف ڈھلنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک ایسے معلّم کا تصوّر کیجیے جسے پیٹ بھر کر کھانے کو نہ ملتا ہو، جو پھٹے پرانے کپڑے پہنتا ہو، جسے تفریح کا کوئی سامان میسّر نہ ہو، جس کے گھر کی کیفیّت وحشت پیدا کرتی ہو اور جسے معاشرے میں کوئی آبرو مندانہ مقام حاصل نہ ہو —— ایسے بدنصیب فرد سے یہ توقع رکھنا کہ وہ بچّوں میں صحت، سلیقہ اور تمدن کی قندیل روشن کرے گا بہت بڑی غلط فہمی ہے۔

گھر میں جو مقام والدین کو حاصل ہے مدرسہ میں وہی حیثیت معلّم کی ہے۔ بچّوں کی تعلیم و تربیت کے بارے میں معلم پر والدین سے بھی زیادہ اہم اور مشکل فرائض عائد ہوتے ہیں۔ بچّے جو توقعات والدین سے رکھتے ہیں وہی توقعات وہ معلم سے بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ ہر بچّہ یہ چاہتا ہے کہ معلم اس میں خصوصی دلچسپی لے، اس کے کام کو سراہے اور اس سے شفقت اور مروّت سے پیش آئے۔ ایک ایسا معلم جو بچّوں میں ڈر، خوف اور مایوسی پیدا کر دیتا ہے ان کی ذہنی صحت ہی برباد نہیں کرتا بلکہ مدرسہ میں ایک

ایسی ناسازگار فضا قائم کرنے کا باعث بھی بنتا ہے جو نصابی تعلیم کے لئے سمِ قاتل ثابت ہوتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بچّے مسرت اور امید افزا ماحول میں زیادہ محنت اور توجہ سے کام کرتے ہیں۔ اگر ان کے ماحول میں جبر و تشدّد، سزا، تلخی، یاس اور محرومیت کا دَور دَورہ ہو تو ان کے ولولے ماند پڑ جاتے ہیں اور ان کی تخلیقی صلاحیتیں زنگ آلودہ ہو جاتی ہیں۔

معلم کی اقتصادی بدحالی

بجا ہے کہ معلّم کو ادنیٰ اقتصادی اور معاشرتی مقام دے کر معاشرہ اپنے سارے نظام عموماً اور بچّوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصاً بہت بھاری ظلم کا مرتکب ہوتا ہے۔ مگر معلّم اس بنیادی بے انصافی کا انتقام مدرسہ میں بچّوں کی تعلیم و تربیت کے معاملہ میں غفلت برتنے کی صورت میں لے تو یہ بھی بہت سنگین معاشرتی جُرم ہوگا۔ اُسے چاہیئے کہ وہ معاشرے کو اس بات پر مجبور کرے کہ اس کی مرکزی حیثیت کے پیش نظر اُسے زیادہ سے زیادہ مادی آسائشیں مہیا کی جائیں۔ معاشرے کو یہ نکتہ سمجھانے کا بہترین طریقہ

یہ ہے کہ معلّم مدرسہ میں اپنے آپ کو ایک مثالی شخصیت کے طور پر پیش کرے۔ وہ درس و تدریس اور رہنمائی کے کام میں گہری دلچسپی لے اور بچّوں کی علمی، جذباتی، تمدنی اور معاشرتی فلاح و بہبود کے فرائض کو اس طرح سرانجام دے کہ معاشرہ اس کی محنت، خلوص اور ایثار سے متاثر ہوکر اسے بہتر مقام دینے پر مجبور ہو جائے۔

اپنی ذاتی مشکلات کے باوجود بچّوں کی تعلیم و تربیت کے کام میں گہری دلچسپی لینے کا ایک اور دُور رس فائدہ بھی ہے۔ چھوٹے بچّوں کو زیورِ علم سے آراستہ ہوکر مستقبل قریب میں زندگی کے مختلف شعبوں کا قائد بننا ہوتا ہے ــــــ اگر معلّم ان کی تعلیم و تربیت میں جانفشانی، تدبر اور انفرادی توجہ سے کام لے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہی بچّے بڑے ہوکر اپنے محسن معلموں کے مقام اور وقار بلند کروانے کے لئے اپنے اپنے مخصوص حلقۂ اثر میں موثر جدوجہد نہ کریں۔ اگر وطن کے تمام معلم ان بدلے ہوئے زاویوں، نئی امنگوں اور نئے ارادوں سے درس و تدریس کے کام کی طرف پورے انہماک سے متوجہ ہوں تو اس سے نہ صرف ان کی اپنی اور مدرسہ کے بچّوں کی حالت ہی سدھر

سکتی ہے بلکہ سارے معاشرہ کی کایا بھی پلٹ سکتی ہے۔

مُعلّم اور بچّوں کے مابین جذباتی تعلق

معلّم اور طلبہ کے مابین ایک جذباتی لگاؤ اور خوشگوار تعلق ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا جینے کے لئے ہوا پانی اور حیاتین۔ طلبہ سے خوشگوار تعلقات استوار نے کے لئے بہت محنت اور سلیقہ درکار ہے یہ ربط اور تعلق اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جب معلم ہر طالب علم کی مشکلات کو سمجھنے کی کوشش کرے اور نہایت خلوص اور شفقت سے انھیں حل کرنے میں اس کی رہنمائی کرے۔

معلّم کو چاہیئے کہ وہ اپنی ذاتی زندگی اور درس و تدریس کی نوعیت سے طلبہ کو یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کرادے کہ مشکلوں اور الجھنوں سے ہنسی خوشی عہدہ برآ ہونا اور اپنے اندر انسانیت کے اوصاف اُجاگر کرنا ہی آئینِ زندگی ہے۔ اس قسم کا معلم اپنے طلبہ کی ذہنی صحت اور کامیابی کا باعث ہی نہیں بنتا بلکہ وہ اپنے اس بہتر کردار اور احساس ذمہ داری سے اپنی بہتری کے سامان بھی پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ طلبہ

میں انسانیت اور صحت کو ترویج پاتا دیکھ کر وہ خود بھی ہشّاش بشّاش رہنے لگتا ہے۔ جس سے اس میں اپنے ذاتی مسائل کو بہتر طریقے سے حل کرنے کی صلاحیت بھی تقویت پکڑتی ہے۔

نصابِ تعلیم اور ذہنی صحت

غیر موزوں نصاب تعلیم بھی بچّوں کی ذہنی صحت بگاڑنے کا سبب بنتا ہے۔ ناقص نصاب بچّے کے دل میں علم سے لگاؤ پیدا کرنے کی بجائے بیزاری اور نفرت کے جذبے اُبھارتا ہے۔ کسی بچّے کو کوئی مضمون رُوکھا پھیکا اور مشکل نظر آتا ہو تو وہ یا تو اس میں مسلسل ناکامیوں کا شکار ہونے لگتا ہے۔ یا پھر جبراً اس کا مطالعہ کرتا رہتا ہے۔ یہ دونوں صُورتیں ذہنی صحت کے لئے ناسازگار ہیں۔ کسی ایک سمت میں مسلسل ناکامیوں سے زندگی کی کئی اور سمتوں میں بھی تلخیوں کے امکان بڑھ جاتے ہیں۔ اپنی مرضی اور پسند کے خلاف کسی مضمون کا جبراً مطالعہ کرنے سے ذہن پر بہت ناگوار بوجھ پڑتا رہتا ہے۔ جس سے تخلیقی صلاحیتوں کی مناسب نشوونما کو ٹھیس لگتی ہے۔ جبراً مطالعہ

کرتے ہوئے مضمون میں عدم دلچسپی اور سطحی علم کی وجہ سے طالب علم کو خالص علمی زاویۂ نگاہ سے بھی کوئی تمدنی فائدہ نہیں پہنچتا۔

مختلف عمر کے بچّوں کے لئے موزوں نصاب وضع کرنا ایک ایسا لطیف اور دقیق عمل ہے جسے مسلسل مشاہدوں، مطالعوں اور تحقیقوں کی مدد ہی سے سرانجام دیا جاسکتا ہے۔ ماضی میں ہمارے نظامِ تعلیم نے اس بنیادی حقیقت کو نظرانداز کئے رکھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم مدرسوں میں ایسے ایسے پُرتصنع نصاب پڑھاتے رہے جو نہ صرف بچّوں کی ذہنی صحت کی بربادی کا باعث بنتے رہے بلکہ علم و ہنر کی مخصوص زاویۂ نگاہ سے بھی ان میں بوسیدگی اور سطحیّت کے سوا اور کچھ پیدا نہ کرسکے۔ آزادی کے بعد اربابِ تعلیم نے اس اہم پہلو کی طرف توجہ مبذول کی۔ ہماری قومی تعلیمی کمیشن نے اس سمت میں متعدّد تعمیری تجاویز پیش کی ہیں جن کی بدولت اب ہمارے مدرسوں میں پہلے سے قدرے بہتر نصاب رائج ہونے لگے ہیں۔ مگر اس سلسلہ میں اب بھی مزید اصلاح اور ترمیم کی کافی گنجائش ہے۔

فطری رُجحان اور انتخابِ مضامین: ہر طالب علم

کو ایک ہی قسم کے چند مخصوص مضامین پڑھنے پر مجبور کردینا ذہنی صحت کے لئے خطروں کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ بعض طلبہ مشینوں اور پرزوں کے جوڑ توڑ کی طرف خصوصی طور پر مائل ہوتے ہیں۔ ایسے طلبہ کے لئے نصابِ تعلیم میں اس قسم کے مضامین کا اہتمام ہونا چاہیے جنھیں پڑھ کر مشینوں اور پرزوں وغیرہ میں دلچسپی اور بصیرت بڑھے۔ اسی طرح ادب اور شعر و شاعری سے خصوصی مَس رکھنے والے طلبہ کو اپنے فطری رُجحانوں کے منافی مضامین پڑھنے پر مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ وہ طلبہ جو محض وہی مضامین پڑھتے ہیں جن سے انھیں فطری دلچسپی ہو، اپنی تعلیم کے دَوران میں بہت مسرت محسوس کرتے ہیں۔ وہ پڑھائی کی گتھیاں اچھی طرح سمجھتے ہیں اور بالغ ہوکر ہنس مکھ شہری ثابت ہونے کے علاوہ اپنے مخصوص حلقۂ علم و ہنر میں نام بھی پیدا کر لیتے ہیں۔ مگر وہ بدنصیب بچّے جو ایسے مضامین پڑھنے پر مجبور کردیئے جاتے ہیں جو انھیں ناپسند ہوں پڑھائی کے دَوران میں ہر وقت جلتے کڑھتے رہتے ہیں۔ علم میں اپنی بنیادی سطحیت یا نالائقی کی وجہ سے انھیں آئندہ تمدّنی اور فنّی زندگی

ہیں بھی کوئی خاطر خواہ کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں تلخی، یاس اور محرومیت کو ایک مستقل مقام مل جاتا ہے۔

طریقِ تدریس اور ذہنی صحت

نصاب کے مضامین کے علاوہ معلم کا طریقِ تدریس بھی بچوں کی ذہنی صحت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ تعلیم کا عمل جو پرانے وقتوں میں بے حد خشک اور بوسیدہ ہوا کرتا تھا آج بہت خوشگوار اور دلچسپ بنا دیا گیا ہے۔ بصری اور سمعی اعانتوں نے درس و تدریس کی دُنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ عصرِ جدید کے مدرسوں میں خوشنما نقشوں، رنگ برنگی تصویروں اور دلچسپ فلموں کے ذریعہ طلبہ کو مختلف درسی مضامین پڑھائے جاتے ہیں جس سے وہ مشکل سے مشکل مواد بھی بہت آسانی سے سمجھ جاتے ہیں۔ جغرافیہ، تاریخ، ادب، معاشرتی علوم، سائنس وغیرہ کے بعض اسباق کے لئے طلبہ کو مختلف مشہور مقاموں پر لے جایا جاتا ہے۔ اسباق کے مختلف نکات پر تبادلۂ خیالات کرنے کے لئے بحث و تقریر کے دلچسپ مقابلوں کا اہتمام کیا

جاتا ہے۔ اساتذہ کے تربیتی اداروں میں ہر بات کو آسان، دلچسپ اور جچے تلے الفاظ میں پیش کرنے کے جدید اور موثر ڈھنگ ذہن نشین کرلئے جاتے ہیں۔

تعلیم میں ان باتوں کی ترویج کا مجموعی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ بچوں کے ذہن میں مدرسہ اور اس کے علمی اور تمدّنی مشاغل سے دلچسپی اور محبت کا جذبہ بیدار ہونے لگا ہے۔ وہ خوش نصیب بچے جو ایسے مدرسوں میں تعلیم پاتے ہیں جہاں تدریس کے جدید طریقے استعمال ہوتے ہیں۔ پڑھائی کے دوران میں ذہن پر کسی قسم کا بوجھ محسوس کرنے کی بجائے تعلیم میں بہت مسرّت اور لذّت محسوس کرتے ہیں۔ نصابی تعلیم میں کامیابی کے ساتھ ساتھ ان میں شخصیت اور کردار کے ایسے ایسے اوصاف بھی اُجاگر ہوتے جاتے ہیں جو بہتر اور کامیاب انسانیت کے لئے بیحد ضروری ہیں۔

تفریحی مشاغل اور ذہنی صحت

نصابی تعلیم کے علاوہ مدرسہ کے تفریحی اور معاشرتی مشاغل بھی بچوں کی ذہنی صحت پر بہت خوشگوار اثر ڈالتے ہیں۔ بچوں کی مناسب نشوونما کے لئے کھیل

اور تفریح لازمی ہے۔ ہر مدرسے میں کھیل کود اور تفریح کا معقول اہتمام ہونا چاہیے۔ معلم کو اس امر کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہر بچّہ مدرسہ کے کسی نہ کسی کھیل میں ضرور حصہ لے۔ کھیلوں میں شرکت سے جسم کے مختلف اعضا کو حرکت کا موقع ملتا ہے۔ بچّوں میں مسرت کے جذبے ابھرتے ہیں۔ ان کی توانائی بڑھتی ہے انھیں چند ضابطوں اور اصولوں کا احترام کرنے اور دوسروں سے مل کر تفریح کرنے کی بہترین تربیت ہوتی ہے۔ کھیل کود میں حصہ لینے سے ذہنی صحت ہی میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ درسی مضامین سمجھنے کی صلاحیت بھی بڑھتی ہے

کھیلوں میں باقاعدہ حصہ لینے والے بچّے ذہنی بیماری کا بہت کم شکار ہوتے ہیں۔ وہ عام طور پر خوش وخرّم رہتے ہیں اور اپنے ساتھیوں، معلموں اور گھر کے لوگوں سے بہت کم الجھتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ بچّے جو مدرسہ کے کھیلوں وغیرہ میں حصہ نہیں لیتے۔ کھیل کے میدان کی اس مفید، جذباتی اور معاشرتی تربیت سے محروم رہتے ہیں۔ ان میں متحدہ جدوجہد کرنے اور دوسروں سے مل بیٹھنے کی خاصیتیں خام

رہ جاتی ہیں جس سے ان میں عزلت پسندی، خودزعمی اور بدمزاجی کو جڑ پکڑنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس قسم کے بچّوں کی ایک خاصی تعداد غیر فطری، خلاف معاشرہ اور مجرمانہ حرکات کی طرف میلان بھی محسوس کرنے لگتی ہے۔

معاشرتی اور تمدّنی مشاغل کی اہمیت

کھیل کُود کے مناسب اہتمام کے ساتھ ساتھ مدرسہ میں بچّوں کی معاشرتی اور تمدّنی دلچسپیوں کے سامان بھی موجود ہونے چاہئیں۔ لڑکوں کے لئے اسکاؤٹنگ اور لڑکیوں کے لئے گائیڈنگ کی تربیت بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ ان کے معاشرتی اداروں کے رکن بننے سے بچّوں کو ہنسی خوشی کام کرنے، ایک دوسرے سے نباہ کرنے، زندگی کے اُصول وضع کرنے اور ان پر کاربند رہنے کی بہت دلچسپ عملی تربیت ملتی ہے جو آئندہ زندگی میں بہت کام آتی ہے۔

اسی طرح مدرسہ میں تمدنی اور معاشرتی مجلسوں اور انجمنوں کے وجُود سے بچّوں کی مختلف خواہشیں اور فطری تقاضے بہتر طریق سے پورے ہوتے رہتے ہیں

ڈراما کلب میں شمولیت سے بچّوں میں کسی کردار اور خیال کو اسٹیج پر پیش کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ بچّے ڈرامے کے دلچسپ شغل میں حصہ لے کر بے حد محظوظ ہوتے ہیں۔ ان میں شعور اور سلیقہ اُجاگر ہوتا ہے اور اپنے آپ اور دوسروں کو سمجھنے اور ان سے تعاون کرنے کی صلاحیت بڑھتی ہے۔

مدرسہ کی مختلف مجلسیں اور مباحثہ کی انجمنیں بچّوں میں دوسروں کے افکار و دلائل کو سمجھنے، اپنے خیالات پیش کرنے اور ان میں مناسب ترمیم و اصلاح کرنے کا سلیقہ پیدا کرتی ہیں۔ اگر مدرسہ میں کبھی کبھی تمام طلبہ کے کھانے پینے کی دعوتیں بھی ہو جایا کریں تو اس سے انھیں آداب دسترخوان کی تربیت کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ اکٹھے مل کر ہنسی خوشی کھانے پینے سے بچّوں کی مسرت میں بہت اضافہ ہوتا ہے

مدرسہ کی زندگی کے ان تمدنی پہلوؤں کا مجموعی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچّے کی زندگی کے تقریباً تمام بنیادی تقاضوں اور خواہشوں کو پورا ہونے کے نہایت معقول مواقع میسّر آجاتے ہیں۔ وہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ مدرسہ صرف کتابی علم حاصل کرنے کی جگہ ہی نہیں ہے بلکہ زندگی

کی گوناگوں دلچسپیوں کے معقول سامان بھی مہیا کرتا ہے۔
اس جامع تربیت اور اس لطیف احساس کی فضا میں پروان چڑھتے ہوئے بچے ذہنی طور پر تندرست رہتے ہیں اور آئندہ چل کر معاشرے کے لئے مفید اور کارآمد افراد ثابت ہوتے ہیں۔

مدرسہ اور بچوں کی نفسیاتی رہنمائی

ایک ایسا مدرسہ جس میں اساتذہ اپنے فرائض کو بہتر طریق سے سرانجام دیتے ہوں۔ جہاں تعلیم و تدریس کو دلچسپ اور موثر بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہو اور جہاں بچوں کی تفریحی اور معاشرتی دلچسپیوں کے خاطر خواہ سامان موجود ہوں، بچوں کے لئے ایک ایسا خوشگوار اور متوازن ماحول پیدا کر دیتا ہے، جن میں ان کے پھلنے پھولنے کے وافر امکان موجود ہوتے ہیں۔
ایسے مدرسہ کے بچوں کی ذہنی صحت بیشتر خطروں سے محفوظ رہتی ہے اور وہ لکھائی پڑھائی کے کام کاج میں خوب دل جمعی سے حصہ لیتے ہیں۔ آئندہ زندگی میں بھی مسرت اور کامرانی ان کے قدم چومتی ہے۔
مگر اس امر کے باوجود ہر مدرسہ میں چند ایک ایسے

بچے بھی نکل آتے ہیں جو گھر، گلی یا مدرسہ کی غفلتوں کا شکار ہو کر کسی نہ کسی قسم کی ایسی ذہنی الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں جو ان کی نشوونما میں سدِّ راہ بن جاتی ہے۔ مدرسہ کی پڑھائی سے خوف کھانے والے بچے، پھسڈی بچے، بھگوڑے بچے، مجرمانہ مشاغل کا ارتکاب کرنے والے بچے، یا کسی مخصوص ذہنی بیماری میں مبتلا ہو جانے والے بچے، اس قسم کے بچوں کی چند مثالیں ہیں۔ ایسے بچوں کے لئے نفسیاتی رہنمائی اور علاج کے لئے خصوصی اہتمام کی ضرورت ہے۔ ان کے مناسب علاج اور اصلاح کے لئے مدرسہ میں ایک ایسے نفسیاتی ادارے کا قیام ضروری ہے جسے چائلڈ گائیڈنس کلینک کہتے ہیں۔

گائیڈنس کلینک کی اہمیت

چائلڈ گائیڈنس کلینک ایک ایسے مفید مرکز کا نام ہے جس میں بچوں کی رہنمائی کے لئے مختلف ماہرین اس بات کا کھوج لگاتے ہیں کہ کسی بچے کے بگڑنے کے اسباب کیا ہیں اور بگڑے ہوئے بچوں کو کیسے سنوارا جاتا ہے۔ اگر ہر مدرسہ کے ساتھ ایک نفسیاتی کلینک ملحق ہو تو مناسب

رہنمائی سے کئی بچے غیر موزوں سمتوں کی طرف بڑھنے اور اپنی ذہنی صحت برباد کرنے سے بروقت بچائے جا سکتے ہیں۔

مدرسوں میں رہنمائی کے ایسے اداروں کے قیام سے معلم کے لئے درس و تدریس کا کام بھی بہت آسان اور موثر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کلینک میں رہنمائی اور علاج کا سلسلہ جب ذہنی مریض، کام چور، نکمے، پھسڈی، بھگوڑے اور مجرم بچوں کی ذہنی صحت بحال کر دیتا ہے تو وہ مدرسہ کے تمام مشاغل میں پوری طرح شریک ہونے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

اگلے باب میں چائلڈ گائیڈینس کلینک، اس کی تشکیل، کام اور اہمیت کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

تیئیسواں باب

چائیلڈ گائیڈنس کلینک

روز مرّہ الجھنوں اور زندگی کے متعدّد دیگر پہلوؤں سے متعلق بچّوں کی منظم ترین رہنمائی کا طریق مدرسہ میں چائیلڈ گائیڈنس کلینک کا قیام ہے۔ گائیڈنس کلینک بچّوں کی بروقت رہنمائی کرکے ان کی ذہنی زندگی کو طرح طرح کے خطروں سے بچا لیتا ہے۔

نفسیاتی رہنمائی کے ضرورت مند بچّے

اکثر بچّے مدرسہ میں اپنی پڑھائی، روز مرّہ کردار، جذباتی اور معاشرتی مطابقت وغیرہ کے معاملوں میں طرح طرح کی مشکلات سے دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اوقات ان بچّوں کی ایک خاصی تعداد کا طرح طرح کی پیچیدہ اور تکلیف دہ الجھنوں سے سامنا ہوتا ہے۔ ان حالات میں ایک عام معلم ان کی مناسب رہنمائی اور علاج سے قاصر ہوتا ہے۔ ایسے بچّوں کے علاج اور رہنمائی کے لئے گائیڈنس کلینک کا مشورہ طلب کرنا

بہت ضروری ہے۔

چند ایسے بچّوں کی اقسام جنھیں علاج اور رہنمائی کے لئے گائیڈنس کلینک میں بھیجنا لازمی ہے۔ مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ مشکل بچّے
۲۔ تشدد پسند بچّے
۳۔ عصبی المزاج بچّے
۴۔ مجرم بچّے
۵۔ پھسڈی اور بھگوڑے بچّے
۶۔ ناقص ذہانت والے بچّے
۷۔ متفرق اقسام کے بچّے

مشکل بچّے:۔ مشکل بچّے والدین، اساتذہ، ہمجولیوں، غرضکہ ہر ایک کے لئے تکلیف اور پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ مشکل بچّوں کی عام خصوصیات یہ ہیں: اضطراب، شرارت پسندی، بے توجہی، کاہلی، غلاظت، بے قاعدگی، وغیرہ، والدین اور اساتذہ کی مار پیٹ ان کی تکالیف کو کم کرنے میں عموماً ناکام رہتی ہے۔ انھیں گائیڈنس کلینک میں بھیجنا چاہیئے تاکہ ان کے مشکل کردار کے اسباب کا تجزیہ ہو اور ان کی نفسیائی

رہنمائی کا معقول اہتمام ہو۔

تشدد پسند بچّے :۔ اس قسم کے بچّے ضد اور ہٹ کرنے، ہلڑ مچانے، دوسروں کو مارنے پیٹنے اور ان کا نقصان کرنے، سرکشی کرنے اور ہر ایک پر غلبہ پانے کے عادی ہوتے ہیں۔ ان میں یہ عادتیں اس قدر راسخ ہو جاتی ہیں کہ عام معلم ان سے عاجز آجاتا ہے

عصبی المزاج بچّے :۔ عصبی المزاج بچّہ عموماً شدید احساس کمتری کا شکار رہتا ہے۔ ڈر، خوف، وہم، لکنت، توتلاپن، ہکلاپن، شرمیلاپن، عزلت پسندی، نرگسیت، افسردگی اور خواب بیداری ایسے بچّے کی عام نشانیاں ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے بچّے کو بھی گائیڈنس کلینک کی نفسیاتی رہنمائی سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔

مجرم بچّے :۔ خلافِ معاشرہ حرکات، جھوٹ بولنا، چوری چکاری، لڑائی مارکٹائی، جنسی گمراہیاں وغیرہ، جرائم پسند بچّوں کے عام مشغلے ہوتے ہیں۔ نفسیاتی رہنمائی سے ایسے بچوں کے کردار میں خاطر خواہ تبدیلی واقع ہوتی ہے۔

بھگوڑے اور بھگوڑے بچّے :۔ مدرسہ کی تعلیم میں عموماً پیچھے رہنے والے بچّے پھسڈی بچّے کہلاتے ہیں۔ مدرسہ یا گھر سے بھاگنے والے بچّوں کو بھگوڑے بچّے کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے بچّے بھی گائیڈنس کلینک کی توجہ کے مستحق ہیں۔ بسا اوقات پھسڈی پن اور بھگوڑا پن محض جذباتی عناصر کی وجہ

سے رُونما ہوتا ہے ۔ اس صورت میں کلینک میں ان تمام جذباتی عناصر کا تجزیہ ہوتا ہے جو بچّے کو بھسڈی یا بھگوڑا بناتے ہیں ۔ تجزیہ کے بعد مناسب علاج کے نفسیاتی طریقے استعمال کیے جاتے ہیں ۔

ناقص ذہانت والے بچّے :۔ ناقص ذہانت والے بچّوں کی تین انواع ہیں جو درج ذیل ہیں :۔

ا ۔ مخبوط العقل بچّے جن کا مقیاسِ ذہانت صفر سے ۱۹ تک ہوتا ہے ۔

ب ۔ فاترالعقل بچّے جن کا مقیاسِ ذہانت ۲۰ سے ۴۹ تک ہوتا ہے ۔

ج ۔ ضعیف العقل بچّے جن کا مقیاسِ ذہانت ۵۰ سے ۶۹ تک ہوتا ہے ۔

اس قسم کے بچّے مدرسہ کے تعلیمی مشاغل سے قطعی کوئی استفادہ نہیں کر سکتے ۔ ان کی خصوصی تعلیم و تربیت اور انہیں خلاف معاشرہ کردار کی طرف مائل ہونے سے بچانے کے معاملوں میں گائیڈینس کلینک سے مشورہ لینا بہت مفید ہوتا ہے ۔

متفرق اقسام کے بچّے :۔ واضح رہے کہ چائیلڈ گائیڈینس کلینک کا کام مشکل ناقص یا مریض بچّوں کی رہنمائی کرنا ہی نہیں

ہے، بلکہ ہر وہ بچہ جسے زندگی کے کسی شعبہ میں کسی قسم کی رہنمائی کی ضرورت ہو کلینک سے مشورہ طلب کر سکتا ہے۔ چنانچہ عام متوسط، ذہین، فطین غرض کہ ہر قسم کے بچے اپنی پڑھائی اور روزمرہ کی زندگی سے متعلق ہر قسم کے مشورہ اور رہنمائی کے لئے گائیڈینس کلینک کی نفسیاتی خدمات سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔

گائیڈینس کلینک کا عملہ

گائیڈینس کلینک کا عملہ بچوں کی نفسیاتی رہنمائی اور ان کی الجھنوں کے علاج میں خصوصی طور پر تربیت یافتہ ہوتا ہے کسی منظم کلینک میں عموماً مندرجہ ذیل ماہرین کام کرتے ہیں:۔

۱۔ ماہر نفسیات
۲۔ معالجِ امراضِ دماغی
۳۔ معاشرتی کارکن
۴۔ چند خصوصی ماہرین

ماہر نفسیات: ماہر نفسیات گائیڈینس کلینک کا روح رواں ہوتا ہے۔ اس کے لئے معلوماتِ نفسیات وغیرہ پر عبور کے علاوہ ذہانت ناپنے اور رہنمائی کے جدید طریقوں سے روشناس

ہونا لازمی ہے۔ ماہر نفسیات کلینک میں آنے والے بچوں کی تشخیص کرتا ہے اور ان کی رہنمائی اور علاج کے مناسب نظام وضع کرتا ہے۔

معالجِ امراضِ دماغی:۔ کلینک کا یہ رکن دراصل ایک سند یافتہ طبیب ہوتا ہے۔ اس کے لئے نفسیاتی طب کا علم اور ذہنی شفاخانوں میں کام کا عملی تجربہ ہونا ضروری ہے۔ معالجِ امراضِ دماغی اس امر کا پتہ لگانے کی کوشش کرتا ہے کہ بچے کی تکلیف میں جسمانی عناصر کس حد تک ذمہ دار ہیں۔ وہ ان جسمانی عناصر کی تشخیص اور علاج کرتا ہے۔

معاشرتی کارکُن:۔ معاشرتی کارکن بچے کے گھر جاتا ہے۔ والدین سے ملاقات کرتا ہے اور ان سب ماحولی اور معاشرتی عناصر کا گہرا جائزہ لیتا ہے جو بچے کی اُلجھن میں حصہ لے رہے ہوں۔ اپنا جائزہ مکمل کر کے معاشرتی کارکن کلینک کو ان سب باتوں کی مفصل رپورٹ دیتا ہے۔ بچے اور اس کے معاشرتی پس منظر کو سمجھنے کے لئے ماہرِ نفسیات اس رپورٹ سے بہت استفادہ کرتا ہے

چند خصوصی ماہرین: اکثر مغربی کلینکوں میں مذکورہ بالا عملہ کے علاوہ کلینک میں چند خصوصی ماہرینِ فن بھی کام کرتے ہیں اس قسم کے دو اہم خصوصی ماہرین یہ ہیں۔

۱۔ نقائصِ نطق کا معالج

ب ۔ علاج بذریعہ کھیل کا ماہر

بچپن میں گونگا پن ، ہکلا پن ، تتلاہٹ اور نطق کے دیگر نقائص عام رونما ہوتے رہتے ہیں ۔ اس قسم کے نقائص کے بہتر علاج کے لئے کلینک والوں کو بسا اوقات ایسے ماہرین کی ضرورت پڑتی ہے جو ان نقائص کے علاج میں خصوصی اور فنّی تربیت حاصل کر چکے ہوں ۔ اس لئے نقائص نطق کا معالج ایسے میں کلینک کا مفید رُکن ثابت ہوتا ہے ۔ اُسے نطق کے تمام نقائص اور بیماریوں کی تشخیص اور علاج پر پورا عبور ہوتا ہے ۔

علاج بذریعہ کھیل کا ماہر کھیل ہی کھیل میں بچّوں کی کئی الجھنوں اور بیماریوں کا علاج کر دیتا ہے ۔ یہ ماہر فن رہنمائی اور علاج کے اس نفسیاتی طریق میں خصوصی تربیت یافتہ ہوتا ہے ۔

کلینک کے عملہ کے ان تمام ماہرین میں سے ماہر نفسیات اہم ترین رُکن ہے ہمارے ہاں اکثر گائیڈنس کلینکوں میں مالی مشکلات کی وجہ سے معالج امراضِ دماغی ، معاشرتی کارکُن ، اور خصوصی ماہرین فن ملازم نہیں رکھے جاتے ۔ سارا کام عموماً ماہر نفسیات ہی کے سپرد کر دیا جاتا ہے ۔ یہ صورت حال غیر مناسب دکھائی دیتی ہے ۔ بہر کیف اگر مالی دقتیں پورا عملہ رکھنے میں سدِّ راہ ہوتی ہوں تو وقتی طور پر ماہر نفسیات پر ہی اکتفا کیا جا سکتا ہے ۔

ان ماہرین کے علاوہ ایک منتظم کلینک کے دفتری عملہ میں ایک

اسٹینو گرافر، ایک کلرک، ایک آدھ چپراسی اور خاکروب بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مختلف قسم کا دفتری اور انتظامی کام چلاتے ہیں۔

گائیڈنس کلینک عمارت

کسی کلینک کی کامیابی کا انحصار کافی حد تک اس کی عمارت کی موزونیت پر بھی ہے۔ ایک معقول کلینک کی عمارت میں مندرجہ ذیل کمرے ہونے ضروری ہیں:۔

۱۔ فنی ماہرین کا دفتر
۲۔ ملاقات کا کمرہ
۳۔ انتظار کا کمرہ
۴۔ کتب خانہ اور دارالمطالعہ
۵۔ کھیل کا کمرہ
۶۔ عمومی دفتر

فنی ماہرین کا دفتر:۔ ایک کمرہ ماہر نفسیات اور دوسرے فنی اراکین کے دفتر کے لئے مخصوص ہونا چاہیئے۔

ملاقات کا کمرہ:۔ ایک کمرہ بچوں، ان کے والدین اور اساتذہ کے انٹرویو کے لئے مختص ہونا چاہیئے۔

انتظار کا کمرہ:۔ ایک کمرہ ان لوگوں کے بیٹھنے کے لئے مخصوص ہونا

چاہیئے جو اپنی باری کا انتظار کر رہے ہوں۔

کتب خانہ اور دار المطالعہ :۔ ایک کمرہ کتب خانہ اور دار المطالعہ کے لئے بھی ہونا ضروری ہے۔

کھیل کا کمرہ :۔ بچّوں کے علاج بذریعہ کھیل کے لئے ایک علیحدہ کمرے کی ضرورت ہے۔ اگر ممکن ہو تو اس کمرے کے آگے برآمدہ اور ایک چھوٹا سا باغیچہ بھی ہونا چاہیئے۔

عمومی دفتر :۔ ایک علیحدہ کمرے میں عمومی دفتر ہونا چاہیئے جس میں دفتری عملہ اپنے ساز و سامان کے ساتھ بیٹھ سکے۔

کلینک کی عمارت کا انحصار بھی مالی ذرائع پر ہے۔ مختلف مالی حالات کے پیش نظر اس مجوزہ عمارت میں ردّ و بدل کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر مالی مجبوریوں کی وجہ سے ایک ہی کمرہ کو کمرۂ انتظار، دار المطالعہ اور کتب خانہ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مزید مجبوریوں کی وجہ سے مزید تخفیف بھی کی جا سکتی ہے۔

گائیڈینس کلینک کا سامان

بچّوں کی رہنمائی اور علاج کے فرائض کو کامیابی سے سرانجام دینے کے لئے گائیڈینس کلینک کو طرح طرح کے متعلقہ سامان

کی ضرورت پڑتی ہے۔ عام دفتری سامان کے علاوہ بچوں کے احوال نامے، نفسیاتی آزمائشیں، کھلونے، پالتو جانور وغیرہ کسی کلینک کے سازو سامان کے چند ضروری اجزا ہیں۔

یک طرفہ پردہ :۔ مغرب کے اکثر منظم کلینکوں میں یک طرفہ پردہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ ایک بہت مفید قسم کا پردہ ہے جو ایک خاص قسم کے شیشے کا بنا ہوتا ہے۔ اسے عموماً کھیل کے کمرہ میں لگا دیا جاتا ہے۔ ماہر نفسیات اور علاج بذریعہ کھیل کا ماہر پردے کے اس طرف بیٹھ کر دوسری طرف کے کھیلتے ہوئے بچوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ یک طرفہ پردے کی خصوصیت یہ ہے کہ کلینک کا اسٹاف اس کے ایک طرف بیٹھ کر دوسری طرف کے تمام واقعات کا بخوبی مشاہدہ کر سکتا ہے۔ مگر دوسری طرف سے کوئی شخص اس کی طرف کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اس طرح بچوں کو اس بات کا پتہ بھی نہیں لگنے پاتا کہ ان کے کردار کا مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ یک طرفہ پردہ کلینک کے سامان کا بہت مفید جزو ہے مگر بہت قیمتی ہونے کی وجہ سے ہمارے ہاں عام کلینکوں میں اسے فی الحال استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

کتابیں اور رسالے :۔ کتابیں اور رسالے کلینک کے سامان کا ضروری اور اہم حصہ ہیں۔ وہ مضامین جن پر کتابوں

اور رسالوں وغیرہ کا کلینک موجود ہونا ضروری ہے۔ مندرجہ ذیل ہیں:-

۱۔ بچوں کی نفسیات
۲۔ بچوں کی نشوونما
۳۔ فنی رہنمائی
۴۔ پیمائش اور آزمائشیں
۵۔ علم العلاج امراض دماغی
۶۔ معالجاتی تعلیم
۷۔ خصوصی تعلیم۔

کسی کلینک کی بیشتر کامیابی کا دارومدار اس کے سامان کی مقدار اور نوعیت پر بھی ہے۔ مگر یہ امر ضروری نہیں کہ ہر کلینک میں مذکورہ بالا سامان میں سے ہر شے لازمی طور پر موجود ہو۔ مالی مجبوریوں کے پیش نظر کلینک کے اس سامان میں مناسب ردوبدل کیا جا سکتا ہے۔

گائیڈنس کلینک کا کام

کلینک کے کام کے دو بنیادی پہلو مندرجہ ذیل ہیں:-

۱۔ تشخیصی پہلو

۲۔ معالجاتی پہلو

فرض کیجیے کہ ایک بچہ ہر ایک سے خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا ہے۔ جماعت میں طرح طرح کی شرارتوں میں مصروف رہتا ہے اور گھر پر سب کام میں دم کیے رکھتا ہے۔ جب اس قسم کا مشکل بچہ کلینک میں لایا جاتا ہے تو کلینک کا عملہ اس بچے کی تکلیف کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور ماہر نفسیات تشخیص کے کام میں منہمک ہو جاتا ہے۔ وہ ان تمام اسباب کا کھوج لگانے کی کوشش کرتا ہے جو بچے کے مشکل پن کے لیے ذمہ دار بنتے ہیں۔ معالج امراض دماغی اس بات کا پتہ لگاتا ہے کہ بچے کی تکلیف میں اس کی جسمانی حالت کا کہاں تک حصہ ہے۔ معاشرتی کارکن بچے کے گھر اور متعلقہ حالات کا مکمل جائزہ مرتب کرنا شروع کر دیتا ہے اور اس بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے کہ ان مختلف گھریلو حالات کو بچے کے مشکل کردار میں کہاں تک دخل ہے۔

ان سب افراد کی متحدہ و مشترکہ کوششوں سے جب اسباب کی مکمل تشخیص ہو جاتی ہے تو پھر ان کے مناسب مداوے کا کام شروع ہوتا ہے۔ کام کے اس حصہ کو معالجاتی پہلو کہتے ہیں۔ اگر بچے کی الجھنوں میں جسمانی یا جذباتی عناصر کام کر رہے ہوں تو ان کا مناسب علاج کیا جاتا ہے۔ معالج امراض دماغی جسمانی عناصر کا علاج کرتا ہے۔ ماہر نفسیات کے زیر ہدایت علاج بذریعہ کھیل

کا ماہر طرح طرح کی کھیلوں کے ذریعہ بچے کا جذباتی توازن بحال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ناسازگار گھریلو حالات کے علاج کے لئے والدین کا تعاون حاصل کیا جاتا ہے۔ اکثر حالتوں میں کلینک میں ایک گائیڈینس کانفرنس بھی منعقد کی جاتی ہے جس میں بچے کے والدین، اساتذہ، ماہر نفسیات اور کلینک کا متعلقہ عملہ شامل ہوتے ہیں۔ ان سب نے اپنے اپنے مخصوص زاویۂ نگاہ سے بچے کو سمجھنے کی کوشش ہوتی ہے۔ گائیڈینس کانفرنس میں یہ لوگ بچے سے متعلق اپنے مشاہدوں، مطالعوں، تجربوں اور خیالوں کا باہمی تبادلہ کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے تعاون کر کے بچے کی رہنمائی اور علاج کے موثر ذرائع تجویز کرتے ہیں اور ان پر عمل کرنے میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔

جب تک بچہ اپنی اُلجھن سے کلی طور پر نجات حاصل نہیں کر لیتا۔ تب تک وہ کلینک میں آتا رہتا ہے۔ جب اس کی الجھن کا علاج مکمل ہو جاتا ہے تو پھر اس کے کلینک میں آنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

مسلسل ریکارڈ:۔ لبا اوقات، کلینک میں آنے والے بچوں کے مسلسل ریکارڈ رکھے جاتے ہیں۔ مسلسل ریکارڈ میں ان بچوں سے متعلق تازہ بہ تازہ معلومات جمع کی جاتی ہیں جو کسی وقت اپنی کسی الجھن وغیرہ کے علاج کے لئے کلینک میں آئے

ہوں اور صحت یاب ہو کر خارج کر دیئے گئے ہوں۔ یہ ریکارڈ اس احتیاط کی غرض سے رکھے جاتے ہیں اگر کسی غفلت کی وجہ سے علاج یافتہ بچے اپنی پرانی اُلجھن کا شکار ہو جائیں تو ان کے دوبارہ علاج اور رہنمائی کے لئے ان ریکارڈوں سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ اس قسم کے ریکارڈ رکھنے سے بچوں، والدین اور اساتذہ کے علاوہ کلینک کے عملہ کو بھی بہت فائدہ رہتا ہے۔ کیونکہ اس طرح انہیں مختلف بچوں پر اپنے نفسیاتی طریقوں کی کامیابی یا ناکامی کا بھی پتہ چلتا رہتا ہے۔

مدرسہ کا اہم ترین حصّہ

گائیڈنیس کلینک کسی منظّم اور ترقی پسند مدرسہ کا اہم ترین حصّہ تصوّر ہوتا ہے۔ بچوں کی ذہنی صحت کو بحال کر کے کلینک انہیں تعلیمی مشاغل میں بہتر طریق سے حصّہ لینے کے قابل بنا دیتا ہے۔ اگر ضرورت مند بچوں کو کلینک کی نفسیاتی سہولتیں میسّر نہ آئیں تو اکثر بچے طرح طرح کی اُلجھنوں کا شکار ہو کر مدرسہ کے تعلیمی اور تمدّنی مشاغل میں کامیاب شرکت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ پھر جب یہ بچے خلافِ معاشرہ اور مجرمانہ حرکات کو اپنا لیتے ہیں تو سارے معاشرہ کے لئے خطرہ کا باعث بن جاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ چائیلڈ گائیڈینس کلینک کو کسی تعمیری مدرسے کا ایک اہم ترین حصہ سمجھنا چاہیئے۔ اگر مالی دقتوں کے پیش نظر مدرسہ میں اس قسم کا کلینک موجود نہ ہو تو گرد و نواح کے کسی کلینک کی خدمات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور اگر قرب و جوار میں بھی کوئی ایسا کلینک موجود نہ ہو تو پھر اساتذہ کو چاہیئے کہ وہ بچّوں کی رہنمائی سے متعلق جدید نفسیاتی کتب اور رسائل وغیرہ کا مطالعہ کر کے اپنے اندر بچّوں کی اُلجھنوں کے تجزیہ اور علاج کی بصیرت پیدا کریں۔ خصوصی حالات میں اس قسم کی نفسیاتی بصیرت ایک گائیڈینس کلینک کا اچھا خاصہ نعم البدل ثابت ہو سکتی ہے۔

ملک میں بچّوں کی رہنمائی کے منصوبوں کا اب بہت چرچا ہو رہا ہے۔ ہماری قومی تعلیمی کمیشن نے بچّوں کی رہنمائی کے کام کو مقدّم قرار دیا ہے۔ اگر تعلیمی کمیشن کی تمام سفارشات کو عملی جامہ پہنا دیا جائے تو کوئی بچّہ بھی رہنمائی کی نعمتوں سے محروم نہیں رہ سکتا۔

ختم شد

ملک کا ہر بچہ قوم کی امانت ہے اسکی صحیح تربیت کرنا ہمارا فرض ہے

بچّوں کی نفسیات

از ڈاکٹر عبدالرؤف ایم اے پی ایچ ڈی

بچّوں کے لئے تو بہت سی کتب اب تک شائع ہو چکی ہیں لیکن نفسیات پر یہ پہلی کتاب ہے جو نہایت آسان اردو میں بچّوں کی فلاح و بہبود کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں وہ تمام باتیں بیان کردی گئی ہیں جن کا علم والدین اور اساتذہ کے لئے ضروری ہے۔ اس کا مطالعہ اساتذہ والدین۔ علم نفسیات کے طلبار معلمین، ماہرین و بچّوں میں دلچسپی لینے والوں کے لئے بے حد مفید ثابت ہوگا۔ یہ کتاب نہ صرف اسکولوں کے اساتذہ درسی کتب و نصاب مرتب کرنے والوں کے لئے ضروری ہے بلکہ عام خواندہ لوگوں کے لئے بھی دلچسپ اور مفید ثابت ہوگی۔

اگر آپ اپنے بچوں کی صحیح تربیت کرنا چاہتے ہیں تو اس کا مطالعہ آپ کے لئے بے حد ضروری ہے۔ اس سے آپ کو قدم قدم پید ملے گی۔

عمدہ کتابت بہترین طباعت۔ کاغذ سفید چکنا۔ خوبصورت گرد پوش۔

قیمت پانچ روپے پچاس پیسے

ناشر

چمن بک ڈپو۔ اردو بازار۔ جامع مسجد، دہلی

ہند و پاک کی مشہور ہردلعزیز مصنفہ

زیبا

اے۔ آر۔ کے خاتون مرحومہ کا
آخری یادگار ناول

پچھلے تمام ناولوں پر سبقت لے گیا

اس ناول نے کتابی دنیا میں ہلچل مچادی ہے۔ سماجی ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد دلچسپ ہے۔ یقیناً اس ناول کو آپ بار بار پڑھیں گے مگر تشنہ رہ جائیں گے۔

کتابت طباعت عمدہ، کاغذ سفید گلیزڈ۔ خوبصورت گرد پوش
قیمت مجلد چار روپے پچاس پیسے

اس پتہ سے منگائیں

چمن بک ڈپو، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶

ایک تعلیمی کتاب

موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ

علامہ شبلی نعمانی

قیمت مجلد: چار روپے پچاس پیسے

چمن بک ڈپو، اردو بازار، دہلی ۶